انتخابِ کلامِ داغ

مرتبہ

بیگم ممتاز میرزا

اُردو اکادمی، دہلی

انتخابِ کلامِ داغ

انتخابِ کلامِ داغ

مرتّبہ

بیگم ممتاز میرزا

اردو اکادمی، دہلی

سلسلہ مطبوعات اردو اکادمی نمبر ۲۵

INTEKHAB KALAM - E - DAGH

Edited by : **BEGUM MUMTAZ MIRZA**
Publisher : **URDU ACADEMY, DELHI**
Prints : **1988, 1991, 1993, 1994, 1995, 1998**
Price : **Rs. 40/=**

قیمت : چالیس روپے
سنینِ اشاعت : ۱۹۸۸، ۱۹۹۱، ۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵، ۱۹۹۸
طباعت : ثمر آفسیٹ پریس، دہلی
ناشر و تقسیم کار : اردو اکادمی دہلی، گھٹا مسجد روڈ، دریا گنج، نئی دہلی

I S B N 81-1721-004-4

حرفِ آغاز

دتی ہمیشہ ہندوستان کے دل کی دھڑکنوں کا محور و مرکز رہی ہے۔ اسی لیے عالم میں انتخاب اس شہر بے نظیر کی تاریخ و تہذیب، علم و فن اور زبان و ادب کو پورے ملک کی نمائندگی کا شرف حاصل ہے۔ آزاد ہندوستان کی یہ تاریخی راجدھانی بجا طور پر اردو زبان و ادب کی راجدھانی بھی کہی جاسکتی ہے۔ اسی کے گردونواح میں کھڑی بولی کے بطن سے زبانِ دہلوی یا اردو نے جنم لیا جو اپنی دھرتی کی سیاسی، سماجی، تہذیبی اور معاشرتی ضرورتوں کے زیرِ سایہ نشوونما پاکر اس عظیم تہذیب کی ترجمان بن گئی جسے ہم گنگا جمنی تہذیب کا نام دیتے ہیں اور جو ہماری زندہ و تابندہ تاریخی وراثت ہے۔

دتی کے ساتھ اردو زبان اور اردو ثقافت کے اسی قدیم اور اٹوٹ رشتے کے پیشِ نظر محترمہ اندرا گاندھی کے ایما پر (جو اس وقت ملک کی وزیرِاعظم تھیں) ۱۹۸۱ء میں دہلی اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا اور ایک چھوٹے سے دفتر سے اکادمی نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ آج دتی اردو اکادمی کا شمار اردو کے فعال ترین اداروں میں ہوتا ہے۔ اردو زبان و ادب اور اردو ثقافت کو فروغ دینے کے لیے اکادمی مسلسل جو کارہائے نمایاں انجام دے رہی ہے، انھیں نہ صرف دہلی بلکہ پورے ملک یہاں تک کہ بیرونی ممالک کے اردو حلقوں میں بھی کافی مقبولیت حاصل ہے۔ یہاں یہ اعتراف ضروری ہے کہ اس کام میں اردو اکادمی کو دہلی سرکار کا فراخ دلانہ تعاون حاصل رہا ہے۔

اکادمی کے دستور العمل کی رو سے دہلی کے لیفٹننٹ گورنر پہلے اکادمی کے چیئر مین

ہوتے تھے، دہلی میں منتخب حکومت کے قیام کے بعد اکادمی کے چیئر مین دہلی کے وزیر اعلیٰ ہو گئے ہیں جو دو سال کے لیے اکادمی کے اراکین کو نامزد کرتے ہیں۔ اراکین کا انتخاب دہلی کے ممتاز ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور معلموں میں سے کیا جاتا ہے جن کے مشوروں کی روشنی میں چیئر مین کی منظوری سے اکادمی مختلف کاموں کے منصوبے بناتی اور انھیں روبہ عمل لاتی ہے۔ اکادمی اپنی سرگرمیوں میں دہلی اور بیرونِ دہلی کے دیگر اردو اداروں سے بھی باہمی مشورت اور تعاون قائم رکھتی ہے۔

اردو اکادمی، دہلی اپنی گوناگوں سرگرمیوں کی وجہ سے پورے ملک میں اپنی واضح پہچان قائم کر چکی ہے۔ انھیں سرگرمیوں میں ایک اہم سرگرمی اکادمی کی طرف سے ایک معیاری ادبی ماہنامہ "ایوانِ اردو" اور بچوں کا ماہنامہ "امنگ" کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ معیار کی علمی اور ادبی کتابوں کی اشاعت بھی ہے۔

یہ انتخاب اکادمی نے ۱۹۸۸ء میں پہلی بار شائع کیا تھا۔ دس سال کی قلیل مدت میں یہ چھٹا ایڈیشن شائع کیا جارہا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے داغ کی شاعری آج بھی عوام کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہے۔

ہم اردو اکادمی کے سرپرست اور صدر نشیں عالی جناب صاحب سنگھ وزیرِ اعلیٰ دہلی کی عنایات اور توجہات کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ اکادمی کے وائس چیئر مین پروفیسر گوپی چند نارنگ کے سرگرم تعاون اور مفید مشورے ہمارے لیے رہنمائی کا کام کرتے ہیں اس کا اعتراف بھی ضروری ہے۔ ساتھ ہی ہم اکادمی کی تحقیقی و اشاعتی کمیٹی کے اراکین کے بھی شکر گزار ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ زیرِ نظر کتاب ادبی حلقوں میں پسند کی جائے گی۔

مخمور سعیدی

سکریٹری اردو اکادمی، دہلی

مقدمہ

علامہ اقبال نے (اپنے استاد) داغ دہلوی کے مرثیے میں لکھا ہے:

تھی زبانِ داغ پر، جو آرزو ہر دل میں ہے
یعنی یہ لیلیٰ وہاں بے پردہ، یاں محمل میں ہے

داغ کی شاعری کے سلسلے میں یہ ایک بنیادی تنقیدی نکتہ ہے، جس کو اقبال نے شاعرانہ انداز سے پیش کیا ہے۔ داغ کی شاعری پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، اُن کے معتقدوں اور مدّاحوں نے بھی لکھا ہے اور نکتہ چینوں نے بھی اور اُن لوگوں نے بھی جو خالص تنقیدی نقطۂ نظر سے کلامِ شاعر کو پرکھنے کے قائل ہیں! ان سب لوگوں کی تحریروں کا مرکزی خیال ایک ہی ہے کہ داغ زبان کے شاعر تھے اور محاورے اور روزمرّہ کا حسن اُن کے کلام کی اصلی خوبی ہے اور اِسی خوبی نے اُن کو بے مثال اور باکمال بنایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ داغ کی شاعرانہ حق تلفی اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتی کہ انھیں صرف زبان اور محض اندازِ بیان کا ماہر بتایا جائے اور یہ کہا جائے کہ ان کی شاعری کا سارا حسن طرزِ ادا کا کرشمہ ہے۔ یوں دیکھیے تو ہمارے اکثر اہلِ قلم اور اہلِ نظر کے مقابلے میں اقبال نے سخن فہمی اور سخن سنجی کا حق بہتر طور پر ادا کیا ہے اور وہ اس طرح کہ انھوں نے داغ کی شاعری کے اُس پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی حیثیت بنیادی نقطے اور محور کی ہے اور یہ کہا ہے کہ وہ ایک جذبۂ مشترک جو ہر انسانی دل میں تمنا بن کر رہتا ہے، مگر ہر شخص اُس کے

اظہار پر قادر نہیں، داغ کے اشعار اس جذبے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ بڑی اہم بات ہے۔ ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ بات میں اگر گہرائی کچھ نہ ہو، بس بات کہنے کا ڈھنگ اچھا ہو، تو ایسی باتیں چنگاریوں کی چمک کی طرح دیرپا نہیں ہوسکتیں، جب کہ داغ کی شاعری آج بھی اپنی قدر و قیمت کو محفوظ رکھے ہوئے ہے اور اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ سارا کرشمہ محض اندازِ بیان کا نہیں۔ یہ کرشمہ ہے اس انسانی جذبے کی ترجمانی کا جو آرزو بن کر ہر دل میں موج زن رہتا ہے۔

اسی مرثیے میں اقبال کا ایک اور شعر بھی ہماری توجہ کا خاص طور پر مستحق ہے:

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

داغ کی شاعری کے سلسلے میں یہ دوسرا اہم نکتہ ہے اور داغ کی شاعری کا صحیح طور پر جائزہ انھی دو نکتوں کی روشنی میں لیا جاسکتا ہے۔ لفظوں کی صرف اوپری سطح کو دیکھنے والی نظریں یہ کہہ سکتی ہیں کہ اس شعر میں اقبال نے داغ کی سادہ بیانی کی تعریف کی ہے، مگر یہ کہنا کم نظری کی دلیل ہے۔ اقبال کے دونوں شعروں میں طرزِ ادا کا ذکر ہی نہیں، اس طرف اشارہ ہی نہیں۔ اقبال نے پہلے شعر میں یہ کہا ہے کہ داغ کی شاعری اُس آرزو اور اُس تمنّا کی ترجمان ہے جو ہر شخص کے دل میں رہتی ہے مگر جسے ہر شخص اچھی طرح یا تو بیان نہیں کر پاتا یا پھر کسی وجہ سے ظاہر نہیں کر پاتا اور ظاہر ہے کہ اقبال کی مراد اُس جذبے سے ہے جس کے اثر سے آدمی حسن کی پرستش پر، یا اس کو پسند کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ یہی نہیں، وہ ہر قیمت پر اسے اپنانا بھی چاہتا ہے۔ ذہنی سطح پر اور جسمانی سطح پر حصولِ لذّت کا یہ جذبہ، بنیادی انسانی جذبے کی حیثیت رکھتا ہے اور تقریباً ہر دل میں یہ آرزو طوفان اٹھائے رہتی ہے، ہاں ہر شخص (اور اسی طرح ہر شاعر) اس کو اچھی طرح ظاہر نہیں کر پاتا۔ یہ جذبہ داغ کی شاعری میں اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ نظر آتا ہے۔ گویا داغ کی شاعری ایک ایسے سچّے انسانی جذبے کی ترجمان ہے جو ہر دل میں کارفرما رہتا ہے۔ اس جذبے کا تعلّق افکار

سے نہیں، جسم و جان سے ہے، حصولِ لذت سے ہے۔

دوسرے شعر میں ایک بے مثال تشبیہ کے ذریعے اقبال نے ایک دوسری بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ داغ کا کمال یہ ہے کہ جس انسانی جذبے اور جس جسمانی احساس کو انھوں نے اپنی شاعری کا بنیادی نقطہ بنایا ہے، وہ اس کے متعلّقات کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔ ان کے خیالات میں وہ ماورائیت کبھی شامل نہیں ہو پاتی جو اس انسانی جذبے کو بھلاکر، اُن فضاؤں میں پہنچا دیا کرتی ہے جہاں پہنچ کر آدمی اپنی دنیا کو بھول سا جاتا ہے۔ یہ بات ہم کو خوب معلوم ہے کہ داغ کی شاعری کا دائرہ بہت چھوٹا ہے۔ اقبال نے اسی طرف اشارہ کیا ہے، مگر یہ بھی گویا بتا دیا ہے کہ اُس سے اُن کی شاعرانہ عظمت پر حرف نہیں آتا۔ ایک چھوٹے سے دائرے میں گردش کرتے رہنے والا بھی اپنے اندازِ نظر کے مطابق شاعرانہ حقیقت نگاری کا حق ادا کر سکتا ہے اور داغ کی شاعری اِس کی سب سے اچھی مثال ہے۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ داغ کی شاعری کا مرکزِ اصلی جسمانی سطح پر حصولِ لذت کا جذبہ ہے، مگر ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جمالیاتی احساس کی تسکین کا جذبہ بھی اس میں شامل ہے۔ آپ داغ کی شاعری کا مطالعہ کریں تو آپ کو جہاں یہ نظر آئے گا کہ وہ وصلِ محبوب کے تمنّائی ہیں، وہاں یہ بھی محسوس ہوگا کہ محبوب کی مختلف اداؤں کا وہ جس طرح بیان کرتے ہیں، شدید جمالیاتی احساس کی کارفرمائی کے بغیر وہ تفصیلات سچائی اور حقیقت کے ساتھ بیان میں سما ہی نہیں سکتیں۔ کسی حسین کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی مختلف کیفیات، چہرے پر موج زن مختلف رنگ، اس کی باتوں میں پنہاں کنایے اور استعارے اور اس کے اعضا کی حرکت میں نئی نئی معنی آفرینیاں؛ ادائے محبوبی ان سب اور ایسے بہت سے بے نام شیوہ ہائے بتاں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ ان سب سے صحیح طور پر لطف اندوز ہونا اور ان کی قدر شناسی ایسے شخص کے لیے ممکن ہی نہیں جو اعلا درجے کا جمالیاتی احساس نہ رکھتا ہو۔

داغ کی تربیت قلعۂ معلّا کی چہار دیواری کے اندر ہوئی تھی۔ تقریباً پچیس برس کی

عمر تک وہ اُس معمورے میں رہے۔ جو اُس وقت اچھی طرح آباد نہ سہی، مگر ہر سطح پر روایتوں کی خوشبو اس کی فضا میں رچی بسی تھی۔ وہاں کی محفلوں کو دیکھا تھا، دیکھا ہی نہیں ہوگا، ان میں شریک بھی ہوئے ہوں گے۔ آخر ولی عہد بہادر کے دامنِ تربیت سے وابستہ تھے۔ وہاں سے نکلے تو ریاستِ رام پور کے دربار میں پہنچے، وہ رام پور جس کو دارُالسّرور بھی کہا گیا ہے۔ ایسا شخص جس کی تربیت ان فضاؤں میں ہوئی ہو اور ج۔ کے شعور کی آنکھیں رنگ و نور کی بزم آرائیوں میں کھُلی ہوں، اس کے یہاں جمالیاتی احساس کا پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔

ہم کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ دہلی میں اور پھر رام پور کے جس ماحول میں داغؔ نے آغازِ جوانی اور پھر جوانی کے دن گزارے، وہ اپنے زمانے میں تہذیبی اور ادبی سطح پر اعلا ترین درجے کا تھا۔ اس سے برتر اور اس سے بہتر تہذیبی فضا کا اس زمانے میں تصوّر ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان محفلوں میں منتخب لوگ ہی بار پاسکتے تھے۔ یہاں تہذیب کے معیار بنتے تھے اور زندگی گزارنے کا وہ سلیقہ آجاتا تھا جسے طبقۂ اشرافیہ کی امانت سمجھا جاتا تھا۔ ہاں ذہنی مناسبت کی شرط تھی۔ داغؔ کی سوانح کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ان کے مزاج اور ذہن کو اس سے مکمّل مناسبت حاصل تھی۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ازل میں ان کے خمیر میں حسن دوستی، حسن پرستی اور لذّت اندوزی کے اجزا سب سے زیادہ شامل کیے گئے تھے۔ ان سب مناسبتوں کے یک جا ہو جانے کا یہ نتیجہ ہونا ہی چاہیے تھا کہ جس چیز کو جمالیاتی احساس کہا جاسکتا ہے، وہ ان کی طبیعت کا غالب حصّہ ہو اور تھا۔ ہاں اس جمالیاتی احساس کی جہت اور سطح کا تعیّن اس ماحول نے اور ان کے مزاج نے کیا۔ طبیعت انھوں نے بہ قولِ شاعر عاشقانہ پائی تھی، یہ عطیۂ فطرت تھا۔ جن فضاؤں میں آنکھیں کھولیں اور نظر نے پرِ پرواز پیدا کیے، وہاں صوفیوں کا نہیں، عاشقوں کا دور دورہ تھا اور عاشق بھی وہ، جو جھوٹی تسکین کے قائل نہیں ہوتے اور خیالوں کی دنیا میں طوافِ کوے ملامت کو کافی نہیں سمجھتے عاشقی کو وصل کی تمہید جانتے ہیں اور عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی کا زینہ ماننے کے لیے کسی قیمت پر

تیار نہیں ہو سکتے۔ "بہشت و عشقِ حقیقی" بہ قولِ مومن دوسروں کو مبارک رہے، ان کو تو وہ محبوب چاہیے جس کی ادائیں اقرار و انکار کے مضامین کا مجموعہ ہوں اور جو کبھی اس عالم میں نظر آئے کہ:

بھویں تنتی ہیں، خنجر ہاتھ میں ہے، تن کے بیٹھے ہیں

اِس عالمِ رنگ و نور اور ایسے معاشرے میں جس شخص نے جوانی گزاری ہو، اس کے یہاں جمالیاتی احساس بھی اسی مناسبت سے نشو و نما پائے گا اور وہ خالص عشقیہ اور جسمانی ہوگا۔

مختصر یہ کہ داغ کی شاعرانہ قدر و قیمت کے تعین میں اصل حیثیت ان کے اختیار کردہ موضوعِ شعر کی ہے اور ان کے جمالیاتی احساس کی۔ اسی احساس نے ان کے کلام میں وہ رنگینی پیدا کی ہے جس میں بہت رنگا رنگی ہے اور جو اشعار میں اس طرح رواں دواں ہے جیسے رگوں میں خون دوڑتا رہتا ہے۔ اسی رواں دواں احساس نے ان کے اشعار میں ایسی دل کشی پیدا کی ہے جو ان کے زمانے میں بھی اور ان کے بعد بھی اب تک اس انداز سے کسی اور شاعر کے حصّے میں نہیں آئی۔

یہیں پر ایک اور نکتہ بھی ہماری توجہ چاہتا ہے۔ اس تحریر کے شروع میں یہ کہا گیا تھا کہ عام طور پر ہمارے لکھنے والوں نے داغ کی شاعرانہ خوبیوں کو ان کے اندازِ بیان میں تلاش کیا ہے۔ یہ فیصلہ کیا ہے کہ داغ کی انفرادیت اور بڑائی کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ایسی بامحاورہ زبان لکھی ہے، ایسا چٹخارے دار اندازِ بیان اختیار کیا ہے اور روزمرّۂ اہلِ زبان کی ایسی پابندی کی ہے کہ ان کے کلام میں بے مثال سلاست اور روانی پیدا ہوگئی ہے، شعر بول اٹھے ہیں اور بیان کی سادگی کمال کے درجے پر پہنچ گئی ہے اور یہ سب باتیں ان کے زمانے میں کسی دوسرے شاعر کے یہاں اس طرح نہیں ملتیں اور ان کے بعد بھی نہیں ملتیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ اہلِ زبان کے روزمرّہ کی پابندی، محاوروں کا برجستہ اور برمحل استعمال، بیان کی سلاست اور سادگی، یہ سب اکتسابی چیزیں ہیں۔ عربی،

فارسی کے لفظ کم استعمال کیے جائیں، فارسی ترکیبیں زیادہ نہ ہوں، اور جو ہوں وہ لمبی نہ ہوں، یعنی چار چار پانچ پانچ لفظوں سے مل کر نہ بنی ہوں، بوجھل نہ ہوں، ہلکی پھلکی ہوں؛ یہ سب باتیں بھی مشق سے حاصل ہوسکتی ہیں اور ہوتی رہی ہیں۔ اگر انھی باتوں پر کسی شاعر کا کمال منحصر ہے تو داغ کی کوئی خاص اہمیت باقی نہیں رہتی۔ ان کے زمانے میں مضطر خیرآبادی اور ریاض خیرآبادی اور دوسرے متعدد شعرا کے کلام میں یہ خوبیاں موجود تھیں اور ان کے بعد دوسروں کے علاوہ خود داغ کے شاگردوں نے بیان کی سلاست اور سادگی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، مثال کے طور پر نوح ناروی کا نام پیش کیا جاسکتا ہے۔ بہت سادہ، بہت بامحاورہ، بہت سلیس زبان لکھی ہے انھوں نے۔ ان کی طرح اور شاعروں نے بھی اس سلسلے میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ مگر ہم سب جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی داغ کا حریف نہیں۔ داغ کے کلام میں اور ان لوگوں کے کلام میں وہی فرق ہے جو اندھیرے اور اجالے میں ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہی سوال پیدا ہوگا کہ جب زبان اور بیان کی ظاہری خوبیاں موجود ہونے کے باوجود کوئی شاعر داغ کے مقابل نہیں ٹھہرتا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ داغ کی شاعری صرف انھی خوبیوں کا مجموعہ نہیں۔ کوئی اور چیز بھی ہے، کچھ اور عناصر بھی ہیں جنھوں نے داغ کی شاعری میں بے مثالیت پیدا کی ہے۔ خوش ذوقی اور سخن فہمی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ داغ کی شاعری میں جو اصل خوبی ہے اور جو دوسروں کے یہاں نہیں پائی جاتی، وہ ہے ان کا جمالیاتی احساس اور ان کی شاعری کا وہ انداز جسے موضوعِ سخن کہنا چاہیے۔ یہ موضوعِ سخن ان کے لیے موضوعِ زندگی تھا۔ ان کا سارا احساس ان کی شاعری میں سما گیا ہے، جس نے سچائی اور تاثیر پیدا کی ہے۔

میں یہاں پر ایک بہت اہم پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتی ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ داغ کی طبیعت کا جو تقاضا تھا اور جمالیاتی احساس نے جس طرح ان کے یہاں نشوونما پائی تھی، ان دونوں عناصر نے ان کی شاعری کا خاکہ بنایا اور اس میں رنگ بھرا، مگر یہ دونوں بنیادی عناصر اچھی طرح اپنے آپ کو کارفرما نہیں رکھ سکتے تھے اگر داغ کے

یہاں وہ تنقیدی شعور نہ ہوتا جو سخن سنجی کے ساتھ ساتھ خودشناسی اور خود آگاہی بھی بخشتا ہے اور جس کی مدد سے شاعر کو صحیح طور پر اپنی طبیعت کے رنگ ڈھنگ کا اور اپنی پرواز کی حدوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

داغ کی پوری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ انھوں نے خود بھی کبھی پارسائی کا دعوا نہیں کیا اور خدا کا شکر ہے ان کے معتقدوں نے بھی ان کو پیر و مرشد کا درجہ عطا نہیں کیا۔ ان کی سوانح حیات پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ وہ کہیں بھی رہے ہوں، ساری عمر عشقِ بتاں میں مبتلا رہے، حسن کی اداؤں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور انھی کو اپنی شاعری میں سجاتے سنوارتے رہے۔ ان کے کلام میں جسم اور جسمانیت کا عمل دخل ہے، روحانیت اور ماورائیت کے ہلکے سے عکس بھی اس شیش محل میں دکھائی نہیں دیتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے یہاں تنقیدی شعور ہمیشہ اپنا کام کرتا رہا، جو ذہانت کو بہکنے سے روک سکتا ہے۔ یہ اسی کا کرشمہ تھا کہ انھوں نے کبھی اپنے دائرے سے باہر قدم نہیں نکالا اور اپنی طبیعت کے تقاضوں سے روگردانی نہیں کی۔ ان کو معلوم تھا اور معلوم رہا کہ وہ عشقِ حقیقی کی نہیں، عشقِ مجازی کی باتیں تفصیل اور سچائی کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں۔ اور عشقِ مجازی میں بھی وہ عشق جس کو صحیح معنوں میں حسن پرستی اور تماشہ بینی کا مجموعہ کہنا چاہیے۔ کتابی عشق نہیں، اور وہ عشق بھی نہیں جس میں گھر کو آگ لگانے پر آدمی آمادہ ہو جایا کرتا ہے۔ خوش نگاہی، نظر بازی اور لذّت اندوزی پہلا اور آخری مقصد ہوتا ہے اس طرزِ عاشقی میں۔ اسی خودشناسی کی بدولت انھوں نے صوفیوں اور اللہ والوں کی باتوں کو غزل سے باہر کی چیز سمجھا۔ فلسفے کی خیالی بحث آرائیوں سے بھی اپنے ذہن اور کلام کو بوجھل نہیں ہونے دیا۔ حیات و کائنات کی عام حقیقتوں کی ترجمانی کو اپنے سے بہتر دیدہ ور شاعروں کے لیے چھوڑ دیا۔ اس طرح اپنی طبیعت کی حدود اور اپنی رسائیِ فکر کے دائرے کا پہلے دن تعیّن کر لیا اور عمر بھر اُس کو نبھاتے رہے۔ اپنی رسائی اور اپنی پرواز کی حدوں کو ہمیشہ نظر میں رکھا۔ ان کی نظر سے یہ بات کبھی بھی چھپ نہ پائی کہ چھوٹی سی کشتی میں زیادہ بوجھ رکھ دیا جائے

تو وہ ڈوب جاتی ہے۔ اپنی طبیعت کو پہچان لینا، اپنی صلاحیتوں کی رسائی کا صحیح طور پر اندازہ کرلینا اور عمر بھر اس صحیح اندازے کے چھوٹے سے دائرے سے قدم باہر نہ نکالنا خود آگاہی اور خودشناسی کی اعلا منزل ہے۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ وہ حسن کی ان اداؤں کی ترجمانی اچھی طرح کرسکتے ہیں جو خیالی نہ ہوں، حقیقی ہوں، سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے جن کا تعلق ہو۔ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ ایک معشوق کو پالینے کی آرزو ہر عاشق مزاج کے دل میں رہتی ہے۔ یہ ایسا انسانی جذبہ ہے جس سے کوئی بشر خالی نہیں۔ یہی مشترک انسانی جذبہ ان کی شاعری کا اصل محور بنا اور اسی نے ان کی شاعری کو بے شمار دلوں کی آواز بنادیا (تھی زبانِ داغ پر، جو آرزو ہر دل میں ہے)۔

داغ کے شاعرانہ شعور نے یہ بات ان کے دل میں بٹھادی تھی کہ جن کیفیتوں کو وہ بیان کرتے ہیں اور جن خیالوں کو ظاہر کرتے ہیں، ان کے لیے اندازِ بیان بھی ایسا دل نشیں اور صاف شفّاف ہونا چاہیے کہ شعر میں ذرا بھی الجھاو اور معمولی سی بھی پیچیدگی پیدا نہ ہو۔ اس میں داغ نے ایسا کمال حاصل کیا جس کو مثال کے طور پر آج تک پیش کیا جاتا ہے۔ یہ موضوع بھی ہماری گفتگو کا طلب گار ہے، مگر ایک اور بات کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ داغ کے سب سے بڑے مقابل اُس زمانے میں امیر مینائی تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ آخر آخر میں امیر نے داغ کے انداز کو اپنانے کی کوشش کی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کا پہلا دیوان "مرآۃ الغیب" ان کے دوسرے دیوان "صنم خانۂ عشق" سے خاصا مختلف نظر آتا ہے۔ اس بات سے بھی تقریباً سبھی ناقدین نے اتفاق کیا ہے کہ ساری کوشش کے باوجود امیر کے یہاں داغ کا انداز سرسبز نہیں ہو پایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مزاج اور طبیعت کا فرق دونوں میں بہت تھا۔ داغ کی جو شاعری ہے، وہی ان کا مزاج تھا اور وہی سب باتیں ان کی زندگی میں بھی تھیں۔ وہ شروع ہی سے اس دنیاے رنگ و بو کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کرتے آئے تھے اور بہ قدرِ توفیق اس رنگ میں رنگے بھی رہے۔ امیر اس کے برخلاف پرہیزگار اور

دین دار شخص تھے۔ جو باتیں داغ کی زندگی میں معمولات کی حیثیت رکھتی تھیں، امیر کی زندگی کو ان سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ زمانے کی پسند اور داغ کی مقبولیت نے ان سے ایسی بہت سی باتیں کہلوائیں جو ان کے لیے صرف 'برائے شعر گفتن' تھیں۔ شعر تو کہہ لیے، استادی اور قادر الکلامی کے زور پر ان باتوں کو اشعار میں سمو بھی دیا اور بہت سے اشعار میں اوپری چمک دمک بھی آگئی، مگر واقعہ پن کی سچائی اور اس سچائی کی پیدا کی ہوئی تاثیر کہاں سے آتی۔ یوں اندرونی سطح سادہ اور بے رنگ رہی۔ بیان کا چوچلا پیدا ہوگیا، حقیقت شامل نہ ہوسکی۔ یہ صورتِ حال صرف امیر مینائی تک محدود نہیں، وہ سب لوگ جنھوں نے داغ کے انداز میں شعر کہے، یعنی داغ کے رنگ کو اپنایا، وہ ان کے معاصرین ہوں یا ان کے شاگرد، ان سب کے یہاں یہی ناتمامی پائی جاتی ہے کہ محاورے اور روزمرہ کے حساب سے شعر کا رنگ چوکھا ہے، زبان بھی اچھی ہے اور بیان بھی خوب ہے، مگر یہ سب کچھ اوپری کاری گری کا کمال ہے، داغ والی بات پیدا نہیں ہوپائی۔ کسی کا شعر ہے:

شباب ان کا جو گزرا، گلگھوال چہرا نکل آیا
ملمّع تھا کہ سونا اڑ گیا، تانبا نکل آیا

یہی احوال ایسی شاعری کا اور ایسے اشعار کا ہوتا ہے کہ آخرکار ملمّع اڑ جاتا ہے اور تانبا نکل آتا ہے۔ صرف پیرایۂ اظہار اور محض قادر الکلامی کے بل پر چٹکتے بھڑکتے شعر تو کہے جاسکتے ہیں اور بہت کہے گئے ہیں، لیکن یہ بات کہ ایک مستقل رنگ ہو، اس رنگ میں گہرائی اور پائداری ہو، یہ بات پیدا نہیں ہوپاتی۔ ورنہ جہاں تک قادر الکلامی کا تعلق ہے، امیر مینائی، مضطر خیرآبادی اور ریاض خیرآبادی جیسے اساتذہ کسی سے کم نہیں تھے، ہاں داغ کا مقابل ان میں سے کوئی نہیں ہوپایا اور وجہ اس کی یہی تھی کہ داغ کے یہاں جو قال تھا وہی حال تھا۔ جو اندازِ بیان تھا وہی اندازِ فکر تھا۔ جن کیفیتوں کو وہ شعر میں ادا کرتے تھے، ان کو نظریں دیکھ بھی چکی تھیں اور دیکھتی بھی رہتی تھیں۔ ان کے شعروں میں جو مکالمے ہیں، جیسے سوال جواب ہیں، جیسی جلی کٹی ہے، جیسا طنز ہے

اور جس طرح صفائی کے ساتھ اظہارِ مدّعا ملتا ہے؛ وہ سب اُن کی زندگی کے معمولات رہے تھے۔

اب تک داغ کی شاعری پر موضوعِ سخن کے لحاظ سے گفتگو کی گئی ہے اور اس پر زور دیا گیا ہے کہ داغ کی شاعری کے جو اصلی اجزا ہیں، وہ ان کے مزاج اور ان کی طبیعت کے ترجمان تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں، اس کی سطح بلند نہ ہونے کے باوجود، پایدار دل کشی بھی ہے اور تاثیر بھی۔ مگر ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بات کہنے کا ڈھنگ اگر مناسب نہیں، یعنی اپنے موضوع سے مکمّل مطابقت نہیں رکھتا، تو پھر بات کیسی ہی ہو، وہ کم اثر رہے گی۔ صرف زبان کا سادہ ہونا اور بیان کا عام فہم ہونا بھی کافی نہیں، اصل بات یہ ہے کہ بیان میں ایسی بے ساختگی بھی ہو اور اظہار میں ایسی دل کشی بھی ہو جو ذہن پر چھا جائے اور دل میں اتر جائے۔ آپ داغ کے کسی بھی دیوان کو کہیں پر سے کھول لیجیے، اور کوئی سی غزل پڑھیے، آپ دیکھیں گے کہ انتخابی نقطۂ نظر سے خواہ اس غزل میں سب شعر یا زیادہ شعر صاد بنانے کے قابل نہ ٹھہریں، مگر بیان کی دل کشی اور زبان کی دل آویزی سے کوئی شعر خالی نہیں ہوگا۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ داغ کے یہاں زبان اور بیان کی جو خوبیاں ہیں، ان کا انحصار اس پر ہے کہ داغ نے محاوروں کو بڑی چابک دستی سے اشعار میں کھپایا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ روز مرّہ کو بڑی خوبی کے ساتھ باندھا ہے۔ انھوں نے عربی فارسی کے بہت زیادہ الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں، اور جو لفظ استعمال کیے ہیں، وہ سب سادہ اور عام فہم ہیں۔ بھاری بھرکم اور ثقیل لفظوں سے بچے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہ بات بھی خاص طور پر کہی جاتی ہے کہ انھوں نے لمبی فارسی ترکیبیں استعمال نہیں کیں۔ اوّل تو فارسی ترکیبیں لکھی ہی کم ہیں، اور جو ہیں وہ ایسی ہیں کہ بیان کی سادگی سے پوری طرح میل کھاتی ہیں۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ان کے کلام کی خوبی میں اس بات کو بھی بہت دخل ہے کہ لفظی تعقید ان کے یہاں نہ ہونے کے برابر ہے۔ یعنی شاعری کی ضرورت سے شعر میں لفظوں کو اِدھر اُدھر کرکے جو باندھا

جاتا ہے اور جس سے لفظوں کی وہ ترتیب برقرار نہیں رہتی جو بات چیت کے عام انداز میں نظر آتی ہے، اُس سے روزمرہ کا حسن بہت کم ہو جاتا ہے۔ داؔغ کے کلام کی عام خوبی یہ ہے کہ اکثر اور بیشتر شعر میں نثری جملے کی ترتیب برقرار رہتی ہے اور اگر کہیں یہ ترتیب باقی نہیں رہ پاتی تو کچھ زیادہ تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی، لفظ صرف اس قدر مقدّم و موخّر ہوتے ہیں کہ روانیِ کلام اور فصاحتِ بیان پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا۔ اُس تفصیل کو مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ داؔغ کے کلام میں ثقیل اور بوجھل لفظ نہیں ہوتے، فارسی ترکیبیں کم سے کم ہوتی ہیں اور جو ہوتی ہیں بہت رواں دواں اور سادہ و صاف ہوتی ہیں۔ شعر میں کلام کی اصلی ترتیب باقی رہتی ہے، تعقید کا عیب پیدا نہیں ہونے پاتا (جب کہ ان کے استاد ذوؔق کے یہاں اس کی بہتات ہے) وہ محاوروں کو خوب صورتی کے ساتھ باندھتے ہیں اور روزمرّۂ اہلِ زبان کی پوری طرح پابندی کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ داؔغ کے کلام میں یہ سب محاسن پائے جاتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ محاسن کلام میں سادگی و صفائی پیدا کیا کرتے ہیں، مگر یہ تو ایسے عام محاسن ہیں جو داؔغ کے بہت سے معاصرین کے یہاں بھی پائے جاتے ہیں آپ امیؔر مینائی کے دیوان دیکھ جائیے، ریاؔض کا کلّیات پڑھیے، جلاؔل کے دیوان دیکھیے، منیؔر شکوہ آبادی کا کلّیات اٹھا لیجیے (وغیرہ) آپ دیکھیں گے کہ یہ محاسن سبھی کے یہاں مشترک ہیں۔ وہ پورا عہد زبان کے شعر کہنے کا تھا، محاورے اور روزمرّہ کو برتنے کا تھا اور سادگی و صفائی کا کمال دکھانے کا تھا۔ داؔغ اور امیؔر کے شاگردوں نے ان محاسن کو اور زیادہ چمکایا اور بیان کی سادگی کو کمال پر پہنچا دیا۔ مثلاً داؔغ کے ایک شاگرد نوؔح ناروی کا کلام پڑھیے، آپ دیکھیں گے کہ تعقید نام کو نہیں اور جملے کی ترتیب شعر میں پوری پوری باقی رہی ہے۔ مگر نوؔح ہوں یا دوسرے لوگ، داؔغ کے کلام کے سامنے ان کے دواوین کا رنگ پھیکا پڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ وہ لطف، وہ دل کشی اور وہ دل نشینی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بیش تر لوگوں کے یہاں

صرف یہی عناصر ہیں۔ داغؔ کے کلام کی برتری کا اصل سبب یہ ہے کہ داغؔ نے اپنے انداز سے الفاظ کے معنوی امکانات کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے انداز کی جو قید میں نے لگائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ معنوی امکانات بہت وسیع لفظ ہے۔ اس کی اعلا جہت تو وہ ہے جو اقبالؔ کے یہاں پائی جاتی ہے کہ کلامِ اقبالؔ میں لفظوں کی گہری معنویت اپنے آپ کو نمایاں کرتی ہے۔ داغؔ کا راستہ دوسرا تھا۔ عاشقی ہو یا شاعری، دونوں کا تعلّق ان کے یہاں صرف اوپری سطح سے تھا۔ لفظوں کے وہی رُخ ان کے کام کے تھے جو زبان کے اس پہلو کو روشن کرسکیں جس کا تعلّق روزمرّہ اور محاورے سے ہے۔

اردو زبان کی یہ عجیب و غریب خوبی ہے اور اس خوبی میں وہ فارسی زبان سے کہیں آگے ہے کہ اس میں محاورہ پن بہت زیادہ ہے، مگر یہ محاورہ پن یا اردو پن اس وقت نمایاں ہو پاتا ہے جب شاعر یا ادیب اس پر قادر ہو کہ اُن لفظوں کو اِس طرح استعمال کرے کہ اس معنویت کا ہر رخ نمایاں ہو جائے۔ مثال کے طور پر ایک سادہ سا لفظ "تو" ہے۔ اس ایک دو حرفی لفظ میں محاورۂ اہلِ زبان کے لحاظ سے جہانِ معنی چھپا ہوا ہے اور طرح طرح سے یہ جملے میں آکر اپنی معنویّت کو ظاہر کرتا ہے۔ داغؔ کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے ایسے تقریباً سبھی لفظوں کی اس پہلوداری کو سمجھ لیا تھا اور اپنے کلام میں ان کی معنویّت کے ہر رُخ کو نمایاں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ داغؔ کے یہاں صرف محاورہ بندی نہیں اور صرف روزمرّہ کا کمال نہیں، جب کہ دوسروں کے یہاں عموماً یہی سب کچھ ہے۔ ان کے یہاں اردو کے ایسے لفظ اپنی کثیر الجہت معنویّت کو شعر میں روشن کرتے ہوئے ملتے ہیں۔

میں نے اب تک داغؔ کا ایک شعر بھی مثال میں پیش نہیں کیا ہے۔ اب اس خاص بحث کے سلسلے میں کچھ مثالیں پیش کرنا ضروری ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ داغؔ کی شاعری میں زبان کا یہ کمال اس قدر وسعت کے ساتھ ملتا ہے کہ کسی ایسی مختصر تحریر میں ان سب کا بیان ممکن نہیں۔ اس لیے میں صرف ایک پہلو کو لے کر چند مثالیں پیش کرتی ہوں

جن سے بات اچھی طرح واضح ہو سکے گی۔

یوں تو داغ کے اشعار میں عام طور پر لفظوں کا استعمال اس طرح ہوا ہے کہ ان کا اردو پن کچھ اور نکھر گیا ہے، مگر خاص طور پر ان کی معنویت چمک اٹھتی ہے اس وقت جب وہ ان کو قافیے یا ردیف کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ داغ کی شاعری کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس میں شاید ہی کوئی ان کا شریک ہو۔ مثلاً آپ ان کی اس غزل کو پڑھیے جس کے ردیف و قوافی ہیں ایمان تو گیا، جان تو گیا۔ آپ دیکھیں گے کہ اس غزل میں "تو" کی ساری جہتیں اس طرح روشن ہو گئی ہیں کہ زبان کا ایک طالب علم اس لفظ کی معنوی وسعت سے گویا پہلی بار اس غزل کو پڑھ کر آشنا ہوتا ہے۔ ان اشعار کو دیکھیے:

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا ۔ جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت، کہتے ہیں: کچھ کام کا نہیں ۔ الٹی شکایتیں ہوئیں، احسان تو گیا

ڈرتا ہوں دیکھ کر دلِ بے آرزو کو میں ۔ سنسان گھر یہ کیوں نہ ہو، مہمان تو گیا

افشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں ۔ لیکن اسے جتا تو دیا، جان تو گیا

دیکھا ہے بت کدے میں جو اے شیخ، کچھ نہ پوچھ
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا

آپ نے دیکھا اس ایک لفظ میں مفہوم کو روشن کرنے کے کیسے کیسے انداز چھپے ہوئے تھے۔ یہاں صرف محاورہ بندی نہیں ہے۔ صرف روزمرّہ کی پابندی نہیں ہے۔ یہاں اردو کی وسعت اپنے آپ کو متعارف کروا رہی ہے۔ یا مثلاً ان کی اس غزل کو پڑھیے جس کے ردیف اور قافیے ہیں تماشا کیسا، دریا کیسا، اس میں لفظ "کیسا" کو جس جس پہلو سے باندھا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذرا سا لفظ کس قدر وسعت رکھتا ہے اپنے اندر۔ ذرا ان اشعار کو دیکھیے:

عرصۂ حشر میں انصاف ہمارا کیسا ۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا

ڈوبتے ہیں عرقِ شرم میں غیرت والے ۔ ڈوب مرنے ہی پہ جب آئے تو دریا کیسا

خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں تو ظاہر نہ کریں　　لوگ کرتے ہیں بری بات کا چرچا کیسا
تیرے قربان کوئی دم یہی تکرار رہے　　دل ہمارا ہے، ہمارا ہے، تمھارا کیسا

اسی طرح ایک معمولی سا لفظ ہے "کیا" یہ عام طور پر استفہام یا تعجب کے مقام پر آتا ہے۔ داغ نے بھی اسے انھی مفاہیم کے لیے استعمال کیا ہے۔ مگر یہ دیکھیے کہ ان دو مفہوموں کے کتنے پہلو ان کے یہاں روشن ہو گئے ہیں؛

میں نویدِ وصل سُن کر مر گیا　　نامبارک تھی مبارک باد کیا
حسنِ شیریں پر جو ہے لیلی کو ناز　　قیس بھی ہو جائے گا فرہاد کیا
کس طرح سے اس کے دل میں گھر کروں　　جب زمیں قائم نہ ہو بنیاد کیا
ان کی صورت دیکھتے رہتے ہیں ہم　　دیکھیے کس وقت ہو ارشاد کیا
دل میں طاقت، ہو تو سب کچھ ہو سکے　　عرش تک جاتی نہیں فریاد کیا
باعثِ گریہ نہ پوچھ اے ہم نشیں!　　کیا کہوں مَیں آ گیا تھا یاد کیا
فصلِ گل میں کیوں ہے بلبل نغمہ سنج　　آپ اپنے مُنہ مبارک باد کیا

داغ شب کو زہر کھا کر مر گیا
لو اٹھو، بیٹھے ہوئے ہو شاد کیا

"بہت" ایک عام سا لفظ ہے، تقریباً ہر وقت استعمال میں آنے والا لفظ۔ یہ لفظ روزمرّہ کے دائرے میں آ کر اور مختلف لفظوں کے ساتھ ترتیب پا کر کس قدر وسیع ہو جاتا ہے، اس کا صحیح طور پر اندازہ کرنے کے لیے داغ کی اس غزل کو پڑھنا لازم ٹھہرے گا جس کا مطلع یہ ہے؛

عالمِ یاس میں گھبرائے نہ انسان بہت
دل سلامت ہے تو حسرت بہت ارمان بہت

اس غزل کے ان اشعار کو ایک بار پھر پڑھیے،

قتل ہونے نہ دیا شکرِ جفا نے مجھ کو　　کام آتے ہیں بُرے وقت میں اوسان بہت
تم کہ بیداد کرو اور نہ شرماؤ ذرا　　ہم کہ ناکردہ گنہ اور پشیمان بہت

حسرتیں روز نئی دل میں بھری جاتی ہیں | تھوڑے تھوڑے بھی ہوئے جاتے ہیں مہمان بہت
وعدہ کرتے ہی پلٹ جاؤ، ہم اس سے خوش ہیں | دلِ غم گیں کو خوشی کی تو ہے اک آن بہت

آپ نے دیکھا کتنی جہتیں چھپی ہوئی تھیں اس ایک لفظ میں، طرح طرح سے بات کو بنانے کے کیسے کیسے انداز اس ایک لفظ کی مدد سے ہاتھ آسکتے ہیں۔

آپ داغؔ کے کلام کو اس لحاظ سے ذرا دل لگا کر پڑھیں تو آپ کو ایک اور بات کا بھی اندازہ ہوگا۔ انھوں نے جن غزلوں کی ردیف افعال سے بنائی ہے، خاص کر مرکّب افعال سے، ان کا عالم ہی دوسرا ہے۔ ایسی غزلوں میں شعر کے آخر تک آتے آتے خیال اچانک اپنے آپ کو دور کھینچتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ یہ ردیفیں ان افعال کو بالکل دوسرے روپ میں پیش کرتی ہیں اور اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان اپنے آپ کو معنوی وسعتوں سے نئی طرح روشناس کر رہی ہے۔ زبان کے ایک اچھے طالب علم کے لیے ایسی غزل کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ یہ تو داغؔ کے کلام کی عام خوبی ہے کہ خالص اردو نژاد لفظوں کا معنوی پھیلاؤ اس کا جوہر ہے، مگر افعال کی حد تک یہ پہلو بہت زیادہ توجّہ چاہتا ہے۔ صرف دو تین مثالوں پر اکتفا کرنا پڑے گا کیوں کہ اس تحریر میں اس سے زیادہ مثالوں کی گنجایش نہیں۔ مگر کلامِ داغؔ کا یہ پہلو ہمارے مطالعے کا بے حد دل چسپ اور بہت ضروری حصّہ ہے۔ ان کی ایک غزل ہے جس کی ردیف و قافیہ ہے "آ کے دیکھ لیا'، جا کے دیکھ لیا" اور جس میں یہ بے مثال شعر بھی موجود ہے:

لوگ کہتے تھے چپ لگی ہے تجھے
حالِ دل بھی سُنا کے دیکھ لیا

اس غزل کے ان اشعار کو دیکھیے:

جاؤ بھی کیا کرو گے مہر و وفا | بارہا آزما کے دیکھ لیا
زخمِ دل میں نہیں ہے قطرۂ خوں | خوب ہم نے دکھا کے دیکھ لیا
اس نے صبحِ شبِ وصال مجھے | جاتے جاتے بھی آ کے دیکھ لیا

خاص کر اس شعر کو ایک بار پھر پڑھیے:

تم کو ہے وصلِ غیر سے انکار
اور جو ہم نے آکے دیکھ لیا

آپ نے دیکھا کہ شعر کے آخر تک پہنچتے پہنچتے لہجہ، آہنگ اور مفہوم، تینوں میں کس قدر کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ کس قدر پھیلاو کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ایسی ہی ایک مثال اور:

مرگِ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال
دشمنی کا لطف، شکووں کا مزا جاتا رہا

اچھی صورت کی رہا کرتی تھی اکثر تاک جھانک
رہ گئیں آنکھیں مگر وہ دیکھنا جاتا رہا

حرص دامن گیرِ دنیا، مالِ دنیا بے ثبات
جس قدر حاصل کیا اس سے سوا جاتا رہا

اسی کی ایک صورت وہ بھی ہے جب وہ مرکب فعل لانے کے بجائے، ایک فعل کی تکرار سے وہی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اس کی مثالیں تو ایسی ایسی ہیں کہ آدمی وجد کرنے لگے، صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے
اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے

مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا
نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

ابھی سن ہی کیا ہے جو بے باکیاں ہوں
انھیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اڑ گیا آندھیاں آتے آتے

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

مقطع کو پھر پڑھیے، کیا داغؔ نے کوئی غلط بات کہی ہے؟ داغؔ نے اپنے زمانے کے

لحاظ سے تو بالکل صحیح بات کہی تھی، مگر اب ہمارے زمانے کا یہ احوال ہے کہ اُردو زبان آتے آتے بھی نہیں آتی۔ یہ بحث تو بڑھتی ہی جائے گی، کتنی ہی مثالیں پیش کی جائیں، بات مکمّل نہیں ہو پائے گی۔ ع

سفینہ چاہیے اِس بحرِ بے کراں کے لیے

اس لیے صرف دو مثالیں اور پیش کی جائیں گی۔ پہلی مثال میں ایک منفرد لفظ "کیسی" نے جس جس انداز سے شعروں میں بندش پائی ہے اور اس بندش کے نتیجے میں اپنی وسعت کا افسانہ بیان کیا ہے، وہ خاص طور پر توجّہ طلب ہے۔

مل گئی بے خودیِ شوق سے راحت کیسی
ہو گئی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی

خواب میں بھی جو بُرا اس نے کہا، سب نے سُنا
جلد ہوتی ہے بری بات کی شہرت کیسی

تھے کہاں رات کو، آئینہ تو لے کر دیکھو
اور ہوتی خطا دار کی صورت کیسی

دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی اے داغؔ
بندہ پرور! یہ محبّت میں حکومت کیسی

"اور ہوتی ہے خطا دار کی صورت کیسی" یا "جلد ہوتی ہے بری بات کی شہرت کیسی"۔ یہ مصرعے گویا ضرب الامثال ہیں اور یہ مقطع،

"دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی اے داغؔ
بندہ پرور! یہ محبّت میں حکومت کیسی"

دوسرا مصرع یہاں بھی کس قدر قیامت ڈھا رہا ہے اور ضرب المثل کے سانچے میں ڈھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ دوسری غزل میں ایک مرکّب کلمے "کسی کا" نے ردیف کے طور پر جگہ پائی ہے۔ خدا ہے کسی کا، مدّعا ہے کسی کا، ردیف و قافیے کے ایسے ٹکڑوں نے مفاہیم میں اور معمولی درجے کے شعروں میں ایسا نیاپن پیدا کر دیا ہے کہ زبان چٹخارے لیتی ہے اور ذوق

لذّت یاب ہوتا ہے :

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا ۔۔۔ وہ کافر صنم کیا خدا ہے کسی کا
دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے ۔۔۔ کہ پورا ہو جو مدّعا ہے کسی کا
ذرا ڈال دو اپنی زلفوں کا سایا ۔۔۔ مقدّر بہت نارسا ہے کسی کا
تمھیں اس سے کیا بحث کیوں پوچھتے ہو ۔۔۔ کوئی تذکرہ ہو رہا ہے کسی کا
مری بزم میں آکے وہ پوچھتے ہیں ۔۔۔ برا حال ہم نے سُنا ہے کسی کا
ستم ہی کیے جاؤ، ہم بھی ہیں حاضر ۔۔۔ ہمیں حوصلہ دیکھنا ہے کسی کا
بچے جان کس طرح تیری ادا سے ۔۔۔ قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا
مری التجا پر بگڑ کر وہ بولے ۔۔۔ نہیں مانتے، اس میں کیا ہے کسی کا

چکبستؔ نے اپنے مشہور طویل مضمون میں (جو مضامینِ چکبست میں شامل ہے) داغؔ کی شاعری پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا ہے کہ وہ "عیّاشانہ شاعری" ہے۔ اور یوں داغؔ کو معروف اساتذہ کے برابر نہیں مانا ہے۔ ہم یہ اعتراف کرتے ہیں کہ داغؔ کے یہاں عشق کا وہ تصوّر نہیں تھا جو مثلاً میرؔ کے یہاں ہے۔ اور ہم کیا کہیں گے خود داغؔ نے اپنی شاعری کے متعلق کہیں یہ نہیں کہا کہ وہ دل کے جلانے کی شاعری ہے یا یہ کہ وہ عشقِ الٰہی میں سرشار رہے ہیں۔ وہ تو صاف صاف کہتے ہیں اور سَو بار کہتے ہیں کہ یہ اداہائے محبوب سے لطف اندوزی کی داستان ہے، جس میں ہجر کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے، وصل کی داستان چھائی ہوئی ہے۔ انھوں نے یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ عشقِ پردہ نشیں میں مرتے ہیں۔ پھر جب ایک شخص خود ہی اپنی داستان کی تفصیلات اور ان کے حدود کو کھل کر بیان کیے دے رہا ہے تو ہم کو کیا حق ہے کہ اس کی داستان کو دوسرے معنی پہنائیں۔

اصل بات یہ نہیں ہے کہ داغؔ کی شاعری عیّاشانہ تھی یا نہیں، اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ انھوں نے لکھا، اس میں اصلیت اور سچّائی ہے یا نہیں۔ اس پر سب نے اتّفاق کیا ہے کہ داغؔ نے جو کچھ کہا ہے، وہی ان کی زندگی تھی۔ جب یہ صورت

ہے تو پھر داغ کی شاعری کو کسی اور پیمانے سے ناپنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر صوفیانہ شاعری درجۂ اوّل کی ہو سکتی ہے تو غیر صوفیانہ شاعری بھی درجہ اوّل کی ہو سکتی ہے۔ مسئلہ سچّائی اور اثر کا ہے اور داغ کی شاعری میں یہ دونوں عناصر موجود ہیں۔ اقبال نے کہا ہے:-

لکھّی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خوابِ جوانی تری تعبیریں بہت

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون
اٹھ گیا ناوک فگن، مارے گا دل پر تیر کون

داغ کی شاعری خوابِ جوانی کی تعبیروں سے بھری ہوئی ہے اور انھوں نے عشق کی ہو بہو تصویریں کھینچی ہیں۔ ان تصویروں میں سچّا رنگ روغن ہے اور ان کی تعبیروں میں حقیقت بیانی بھری ہوئی ہے اور یوں داغ کی شاعری کا درجہ خاصا بلند ہے۔ اسے "عیّاشانہ شاعری" کہنا، محض اعتراض کرنے کے لیے ایک عنوان تراشنا ہے اور بس، چکبست کا یہ مضمون اصل میں اس زمانے کی دہلی اور لکھنؤ کی دبستانی بحثوں کی ایک کڑی ہے۔ دبستانی معرکہ آرائی کی بحثوں میں عموماً ایسی ہی جانب دارانہ باتیں کہی جاتی ہیں اور چکبست نے بھی اسی کا حق ادا کیا ہے۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ 'جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے' آخر میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے:

"داغ کے کلام کی تاثیر اس امر کی شاہد ہے کہ اس کے قدرتی طور پر شاعر ہونے میں کلام نہیں۔ اس کے کلام کا اثر حرارتِ برقی کی طرح سننے والے کے دل میں دوڑ جاتا ہے اور ایک کیفیت پیدا کر دیتا ہے جس کا نام تاثیرِ سخن ہے۔ اس وقت تیرہ خاکدانِ ہند میں داغ کی روشنی غنیمت تھی، اُردو شاعری کا نام اسی سے زندہ تھا۔ گو وہ آتش، ذوق و غالب کا ہم پایہ نہ ہو

لیکن اس کے قدرتی شاعر ہونے میں کوئی شک نہیں اور اِس نعمتِ خداداد کا
حاصل ہونا بھی کچھ کم فخر کی بات نہیں کہ اس کے کلام کی شوخی مصنوعی شوخی
نہیں۔ جو شعر اس کی زبان سے نکلتا ہے تاثیر میں ڈوبا ہوا نکلتا ہے' اور
اصل یہ ہے کہ اپنے رنگ میں وہ معجزہ دکھا گیا ہے۔ داؔغ کا کلام شروع
سے آخر تک اس کی طبیعت کے قدرتی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کا شعر
زبانِ حال سے پکار کر کہتا ہے کہ میں داؔغ کا شعر ہوں۔"

اس موقع پر داؔغ کا یہ شعر پڑھا جا سکتا ہے:

رقیب بھی تو اسے کان رکھ کے سنتے ہیں
عجب طرح کا مزہ ہے مرے فسانے میں

داؔغ کی ایک حیثیت اور بھی ہے اور وہ بھی کچھ کم قابلِ ذکر نہیں۔ وہ یہ ہے کہ اپنے زمانے میں وہ زبانِ دہلی کے سب سے بڑے نمایندے تھے۔ رام پور کے دربار میں لکھنؤ کے بہت سے باکمال اساتذہ جمع تھے' جن میں امیؔر مینائی اور جلاؔل کے نام خاص کر قابلِ ذکر ہیں۔ دہلی کی نمایندگی صرف داغ کے حصّے میں آئی تھی۔ اسی زمانے سے انھوں نے زبانِ دہلی کے فروغ کی طرف خاص توجّہ کی۔ انشائے داؔغ میں ان کے کئی خط موجود ہیں جن میں اپنے شاگردوں کو زبان و بیان کے سلسلے میں قواعد کی پابندی کی بار بار تاکید کرتے ہیں۔ تذکیر و تانیث کے لحاظ سے بھی دہلی و لکھنؤ میں بہت سے لفظوں میں اختلاف ہے اور یہی صورت کچھ لفظوں کے استعمال کے سلسلے میں سامنے آتی ہے۔ روز مرہ اور محاورے کا فرق جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ داؔغ نے اپنے شاگردوں کے وسیلے سے اور اپنی شاعری کے بل پر اس طرف بہت زیادہ توجّہ کی۔ انھوں نے مولانا احسن مارہروی کی فرمایش پر قواعدِ شاعری سے متعلق ایک طویل قطعہ بھی لکھا تھا' جو اِس انتخاب میں بھی شامل ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ان کا ناتمام لغت "فصیح اللغات" بھی ہے جو بالاقساط رسالۂ فصیح الملک میں چھپتا رہا تھا۔ غرض کہ داؔغ نے جہاں زبان کی فصاحت اور سلاست کا

ایک نیا معیار قائم کیا، وہاں زبانِ دہلی کے تصوّر کو بھی فروغ دیا۔ جہاں تک داغ کی زبان کا تعلق ہے، اس سلسلے میں تو ان کے مخالف بھی ان کے معترف تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ داغ جیسی سادہ و سلیس مگر پُرتاثیر زبان کسی دوسرے کے حصّے میں نہیں آسکی۔ انھوں نے جو یہ کہا ہے کہ :

نشانِ داغِ سخنور کی قبر کا ہے یہی   بجائے سبزہ زمیں سے زباں نکلتی ہے

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ   ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہ دو   کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

"یاروں سے" غالباً اپنے لکھنوی حریفوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک شعر میں بھی شاعرانہ تعلّی نہیں، مبالغہ نہیں، سخن آرائی نہیں، سراسر واقعہ نگاری اور حقیقت بیانی ہے۔ ان کے عزیز شاگرد مولانا احسن مارہروی نے ان کے کلام کا جو ضخیم انتخاب مرتّب کیا تھا اور جو چھپ چکا ہے، اس کو دو حصّوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک حصّے میں صرف ایسے اشعار شامل کیے تھے جن میں فارسی عطف و اضافت موجود نہیں۔ اور یہ بڑے کمال کی بات ہے۔ اس حصّے کو دیکھ کر صحیح طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زبان کی فصاحت اور سلاست کا معیار ان کے یہاں کیا تھا۔

داغ کے چار دیوان مطبوعہ ہیں۔ وہ عمر کے آخری زمانے میں حیدرآباد میں رہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قیام حیدرآباد کے زمانے کا جو کلام ہے اس میں وہ بات کم پائی جاتی ہے جسے داغ کے کلام کی عام خوبی کہا گیا ہے۔ زبان تو رواں دواں ہے اور سلاست اور فصاحت میں ذرا بھی کمی نہیں آئی ہے، مگر اچھے شعر نسبتاً کم ہیں۔

دہلی اردو اکادمی نے یہ طے کیا تھا کہ کلامِ داغ کا ایک نمایندہ انتخاب تیار کرایا جائے۔ اکادمی کے سکریٹری محترم شریف الحسن نقوی صاحب نے اس کی ذمّے داری مجھے سونپی۔

مجھے شروع ہی سے داغ کی شاعری سے دل چسپی رہی ہے، یوں میں نے نہایت مسرت کے ساتھ اس پیش کش کو قبول کرلیا۔ داغ کے کئی انتخابات اب سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ مگر اب وہ آسانی سے دستیاب بھی نہیں ہوتے اور انتخاب کرنے والوں نے عموماً کسی نہ کسی خاص پہلو کو سامنے رکھ کر کلام کا انتخاب کیا ہے۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ داغ کے نمایندہ کلام پر مشتمل ایک ایسا مجموعہ مرتّب کیا جائے جو داغ کی شاعری کی ہر جہت کو روشن کرے اور ہر انداز نمایاں ہو جائے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک خاص معیار بھی برقرار رہے۔ وہ شعر جن میں صرف زبان کا معمولی سا کرشمہ ہے یا محض محاورے یا روزمرّہ کا استعمال ہے اور شعری حیثیت سے وہ بلند پایہ نہیں، انھیں شامل نہ کیا جائے۔

جیسا کہ کہا گیا ہے، داغ کے چار دیوان ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ تھا کہ چاروں دیوانوں کا الگ الگ انتخاب تیار کیا جاتا۔ مگر اس طرح بکھراو پیدا ہو جاتا۔ مثلاً ایک ہی زمین میں دو یا تین غزلیں مختلف دیوانوں میں ہیں تو یہ ہوتا کہ مثلاً دو شعر ایک جگہ آ جاتے، چار شعر دوسری جگہ اور چار یا پانچ تیسری جگہ۔ جن لوگوں کو داغ کی شاعری کا زمانے کے لحاظ سے مطالعہ کرنا ہے اور اس کا تدریجی ارتقا دیکھنا ہے وہ ان کے مطبوعہ دواوین دیکھ سکتے ہیں جو کتاب خانوں میں محفوظ ہیں۔ اس انتخاب کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ داغ کے کلام کا ایک ایسا مکمّل مجموعہ سامنے آ جائے کہ پڑھنے والا بہ یک نظر ان کی شاعری کی خصوصیات سے بھی آشنا ہو جائے اور ان کے منتخب اشعار بھی اس کے سامنے آ جائیں۔ اس نقطۂ نظر کے تحت یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ چاروں دیوانوں میں جتنی بھی غزلیں ہیں ان کے منتخب اشعار کو حروفِ تہجی کے لحاظ سے یعنی ہر ردیف کے اشعار کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک خوش ذوق پڑھنے والا لطفِ سخن بہتر طور پر حاصل کر سکے گا اور داغ کی شاعری کی جہتیں اور پہلو بہتر طور پر اس کے سامنے آ سکیں گے۔

قدیم اساتذہ کے پورے پورے دیوان پڑھنا ریسرچ سکالرز کے سوا کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہو بھی نہیں سکتی۔ جو لوگ محض ذوقِ شعری کی تسکین کی خاطر غزل کے اشعار کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، ان کا تقاضا اور مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے

ایسا منتخب کلام آئے جسے وہ آسانی کے ساتھ پڑھ سکیں اور زندگی کی کشاکش سے جو چند لمحے چرائے ہیں ان میں اپنے ذوق کی تسکین کا سرو سامان حاصل کر سکیں۔ داغؔ نے کس زمین میں کتنے شعر کہے ہیں یا دو غزلہ کہا ہے یا سہ غزلہ، ان کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، فرصت بھی نہیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جب وہ کتاب کھولیں تو ان کے سامنے ایسے اشعار آئیں:

وہ جب چلے تو قیامت بپا تھی چار طرف — ٹھہر گئے تو زمانے کو انقلاب نہ تھا

اپنی تصویر پہ نازاں ہو، تمھارا کیا ہے — آنکھ نرگس کی، دہن غنچے کا، حیرت میری

بات کا زخم ہے، تلوار کے زخموں سے سوا — کیجیے قتل مگر مُنہ سے کچھ ارشاد نہ ہو

تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتادو مجھ کو — دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھادو مجھ کو

قیامت ہے سنے وہ سر جھکائے — خدا کے سامنے اظہار میرا

مانوں گا میں نہ تجھ کو ستم گر کہے بغیر — محشر میں چین آئے گا کیوں کر کہے بغیر

لوگ کہتے تھے چپ لگی ہے تجھے — حالِ دل بھی سُنا کے دیکھ لیا

مجھے توقع ہے کہ کلامِ داغؔ کا یہ نمائندہ انتخاب ایسے خوش ذوق قارئین میں قبولیت کا شرف حاصل کرے گا اور داغؔ کے دل کش طرزِ کلام اور بے مثال اندازِ بیان سے نئی نسل کے لوگوں کو بہتر طور پر روشناس کرائے گا۔ اس زمانے میں جب کہ زبان کی تعلیم کا دائرہ بہت سمٹ گیا ہے اور زبان و بیان کے محاسن سے شناسائی کم ہوتی جا رہی ہے،

داغ کے اشعار ذہنوں میں نئی روشنی پیدا کریں گے اور ذوق کی تربیت میں معاون ثابت ہوں گے۔ جب یہ کہا گیا تھا کہ جو لوگ زبان سے صحیح معنی میں شناسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں، انھیں انیس کے مرثیے اور داغ کی غزلیں ضرور پڑھنا چاہیے، تو بہت کچھ سوچ سمجھ کر کہا گیا تھا اور یہ قول آج بھی اپنی سچائی برقرار رکھے ہوئے ہے۔

ممتاز میرزا

یکم جولائی ۱۹۸۶ء

آفتابِ داغ

(الف)

عیب نکلا جو ہنر پیدا کیا — ہم نے کھویا جس قدر پیدا کیا
اے زہے سرمایۂ رنج و الم — ہم نے جس کو عمر بھر پیدا کیا
آسماں تو آسماں ہی رہ گیا — نام تو نے فتنہ گر پیدا کیا

باعثِ گریہ نہ پوچھ اے ہم نشیں — کیا کہوں میں آگیا تھا یاد کیا!
فصلِ گل میں کیوں ہے بلبل نغمہ سنج — آپ اپنے مُنہ مبارک باد کیا!

عرصۂ حشر میں انصاف ہمارا کیسا — دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا
ڈوبتے ہیں عرقِ شرم میں غیرت والے — ڈوب مرنے ہی پہ جب آئے تو دریا کیسا
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں تو ظاہر نہ کریں — لوگ کرتے ہیں بری بات کا چرچا کیسا
تیرے قربان کوئی دم یہی تکرار رہے — دل ہمارا ہے، ہمارا ہے، تمھارا کیسا!
تم سلامت ہو تو ہر روز قیامت ہوگی — ہم بھی دیکھیں گے تماشے پہ تماشا کیسا
مجھ کو یہ شکوہ کہ اقرارِ وفا جھوٹا تھا — ان کو یہ ناز کیا ہم نے یہ وعدا کیسا
غیر کا ذکرِ وفا اور ہمارے آگے — داغ اس بات سے جلتا ہے کلیجا کیسا

بُتوں نے ہوش سنبھالا جہاں شعور آیا — بڑے دماغ، بڑے ناز سے غرور آیا

کہاں کہاں دلِ مشتاقِ دید نے یہ کہا
وہ چمکی برق تجلّی وہ کوہِ طور آیا

قسم بھی وہ کبھی قرآن کی نہیں کھاتے
یہ رشک ہے انھیں کیوں اس میں ذکرِ حور آیا

کہیں تھی راہ نمائی کہیں تھی راہ زنی
کہیں ملا، کہیں میں کارواں سے دور آیا

وہیں سے داغِ سیہ بخت کو ملی ظلمت
جہاں سے حضرتِ موسیٰ کے ہاتھ نور آیا

غمزہ بھی ہو سفّاک، نگاہیں بھی ہوں خوں ریز
تلوار کے باندھے سے تو قاتل نہیں ہوتا

انکار تو کرتے ہو مگر یہ بھی سمجھ لو
بے وجہ کسی سے کوئی سائل نہیں ہوتا

کیا ناک میں دم ہے دلِ دشوار طلب سے
وہ کام بگڑتا ہے جو مشکل نہیں ہوتا

مرنے ہی پہ جب آئے تو کیوں ڈوب کے مریے
کیا خاک میں مل جانے کو ساحل نہیں ہوتا

یہ داد ملی ان سے مجھے کاوشِ دل کی
جس کام کی عادت ہو وہ مشکل نہیں ہوتا

معشوق کو اگر دلِ بے مدّعا دیا
پوچھے کوئی خدا سے کہ عاشق کو کیا دیا

بے مانگے دردِ عشق و غمِ جاں گزا دیا
سب کچھ ہمارے پاس ہے اللہ کا دیا

ناوک ابھی ہے شست میں صیّاد کی مگر
اٹھتی ہیں انگلیاں، وہ نشانہ اڑا دیا

ملتے ہیں تیرے چاہنے والوں میں تیرے ڈھنگ
جو تجھ پہ مٹ گیا مجھے اس نے مٹا دیا

دنیا میں اک یہی ہے زیارت گہِ جنوں
خانہ خرابیوں نے مرا گھر بنا دیا

لب خشک ہو رہے ہیں، کفِ دست سرخ ہیں
لو سچ کہو کہ قول رقیبوں کو کیا دیا

آخر کو جوشِ گریہ نے اتنا کیا اثر
نقشِ مراد صفحۂ دل سے مٹا دیا

احسان مانتا ہوں ستم ہائے غیر کا
بگڑا ہوا مزاج تمھارا بنا دیا

اپنی تو زندگی ہے تغافل کی وجہ سے
وہ جانتے ہیں خاک میں ہم نے ملا دیا

تھوڑی سی پی کے تلخیِ مے کا گلہ رہا
جب منہ کو لگ گئی تو نہایت مزا دیا

تعریفِ جور اور پھر اس شدّ و مد کے ساتھ
میری زبان نے مجھے جھوٹا بنا دیا

دل کو آسودہ جو دیکھا تو اُنھیں ضد آئی
اِس سے بہتر تو یہی تھا کہ پریشاں ہوتا

خلد میں بند رہے عیش کے ساماں بیکار
لطف جب تھا کہ یہ مجموعہ پریشاں ہوتا

عشق کچھ کھیل نہیں اے دلِ آرام طلب!
سیکھنا تھا تجھے وہ کام جو آساں ہوتا

کیا غضب ہے، نہیں انسان کی انسان کو قدر
ہر فرشتے کو یہ حسرت ہے کہ انساں ہوتا

ہوگئی بارِ گراں بندہ نوازی تیری
تو نہ کرتا اگر احسان تو احساں ہوتا

دلِ پُر اضطراب نے مارا — اسی خانہ خراب نے مارا
یاد کرتے ہو غیر کے اشعار — ہائے اس انتخاب نے مارا
مجھ کو بے تاب دیکھ کر بولے — آپ کے اضطراب نے مارا
دیکھ کر جلوہ غش ہوئے موسیٰ
داغؔ مجھ کو حجاب نے مارا

محشر میں وہ نادم ہوں، خدا یہ نہ دکھائے
آنکھوں نے کبھی اُس کو پشیماں نہیں دیکھا

ملتا نہیں، ہم کو دلِ گم گشتہ ہمارا
تو نے تو کہیں اے غمِ جاناں نہیں دیکھا

جو دن مجھے تقدیر کی گردش نے دکھایا
تو نے بھی وہ اے گردشِ دوراں نہیں دیکھا

کیا داد ملے اس سے پریشانیِ دل کی
جس بُت نے کبھی خوابِ پریشاں نہیں دیکھا

تم کو مرے مرنے کی یہ حسرت، یہ تمنّا!
اچھّوں کو بڑی بات کا ارماں نہیں دیکھا

تم مُنہ سے کہو، جاؤ کہ دیکھا ہے زمانہ
آنکھیں تو یہ کہتی ہیں کہ ہاں ہاں نہیں دیکھا

کیوں پوچھتے ہو کون ہے یہ، کس کی ہے شہرت
کیا تم نے کبھی داغؔ کا دیواں نہیں دیکھا؟

تو ہے مشہور دل آزار، یہ کیا
تجھ پر آتا ہے مجھے پیار، یہ کیا
جانتا ہوں کہ مری جان ہے تو
اور میں جان سے بیزار، یہ کیا

مجحوب کر نہ جرمِ فغاں پر کہ لطف کیا
شرمِ گناہ سے جو گنہ گار مر گیا
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں پسِ مرگ اس لیے
جانے کوئی کہ طالبِ دیدار مر گیا

دل مبتلائے لذّتِ آزار ہی رہا
مرنا فراقِ یار میں دشوار ہی رہا
لذّت وفا میں ہے نہ کسی کی جفا میں ہے
دل دار ہی رہا نہ دل آزار ہی رہا
جلوے کے بعد وصل کی خواہش ضرور تھی
وہ کیا رہا جو عاشقِ دیدار ہی رہا
کہتے ہیں جل کے غیر، محبّت سے داغؔ کی
معشوق اس کے پاس وفادار ہی رہا

حشر میں بھی مبتلا اُس پر جہاں ہو جائے گا
جو یہاں ہوتا ہے، وہ اک دن وہاں ہو جائے گا

حسن تیرا، عشق میرا ہے بلائے روزگار
آفت آجائے گی یہ چرچا جہاں ہو جائے گا

دل کو مدّت میں کیا تھا خوگرِ طرزِ ستم
کیا خبر تھی وہ یکایک مہرباں ہو جائے گا

چپ رہوں میں حشر میں، یہ آپ نے اچھی کہی
ہو سکے گا حالِ دل جتنا بیاں ہو جائے گا

کہہ گیا ساقیِ سرشار یہ چلتے چلتے
آپ جو رنگ میں ڈوبے گا، ڈبو جائے گا

نا امیدی تیرے صدقے! تو نے دی راحت مجھے
کم ہُوا جب ایک ارماں، ایک دشمن کم ہوا

جب جوانی کا مزا جاتا رہا
زندگانی کا مزا جاتا رہا

وہ قسم کھاتے ہیں اب ہر بات پر
بدگمانی کا مزا جاتا رہا

داستانِ عشق جب ٹھہری غلط
پھر کہانی کا مزا جاتا رہا

غیر پر لطف و کرم ہونے لگا
مہربانی کا مزا جاتا رہا

دوسرا کوئی نہ تجھ سا بن سکا
نقشِ ثانی کا مزا جاتا رہا

جب شرابِ کہنہ میں پانی ملا
اُس پرانی کا مزا جاتا رہا

داغؔ ہی کے دم سے تھا لطفِ سخن
خوش بیانی کا مزا جاتا رہا

زمانے کے چلن سیکھے ہیں تو نے
کسی کا دوست ہے دشمن کسی کا

پڑا تھا ہائے کس کم بخت کے ہاتھ
کہ ہے نکلا ہوا دامن کسی کا

گیا ہے عرشِ معلّیٰ پہ شور نالوں کا
خدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا

ماہتابِ داغ

اچھی صورت پہ غضب ٹوٹ کے آنا دل کا
یاد آتا ہے ہمیں ہائے زمانا دل کا

تم بھی مُنہ چوم لو، بے ساختہ پیار آجائے
میں سناؤں جو کبھی دل سے فسانا دل کا

اِن حسینوں کا لڑکپن ہی رہے یا اللہ!
ہوش آتا ہے تو آتا ہے ستانا دل کا

حور کی شکل ہو تم، نور کے پُتلے ہو تم
اور اِس پر تمھیں آتا ہے جلانا دل کا

بعد مدّت کے یہ اے داغؔ سمجھ میں آیا
وہی دانا ہے، کہا جس نے نہ مانا دل کا

سبب کھُلا یہ ہمیں اُن کے مُنہ چھپانے کا
اُڑا نہ لے کوئی انداز مسکرانے کا

چڑھاؤ پھول مری قبر پر جو آئے ہو
کہ اب زمانہ گیا تیوری چڑھانے کا

بہ تنگ آکے جو کی میں نے ترکِ رسمِ وفا
ہر اک سے کہتے ہیں، یہ حال ہے زمانے کا

خطا معاف، تم اے داغؔ اور خواہشِ وصل!
قصور ہے یہ فقط ان کے مُنہ لگانے کا

دو دن بھی کسی سے وہ برابر نہیں ملتا
یہ اور قیامت ہے کہ مل کر نہیں ملتا

انکار سے امّید ہے، اقرار سے ہے یاس
جب وعدہ کیا، پھر وہ مقرر نہیں ملتا

تصویر تو پیدا ہے، مصوّر نہیں پیدا
آئینہ تو ملتا ہے، سکندر نہیں ملتا

یارب، مرے اشکوں سے نہ تاثیر جدا ہو　　اس قافلے سے کوئی بچھڑ کر نہیں ملتا
ہر وقت پڑھے جاتے ہیں کیوں داغ کے اشعار　　کیا تم کو کوئی اور سخنور نہیں ملتا

حسینوں کی وفا کیسی، جفا کیا!　　جو دل آیا، تو پھر اچھا برا کیا!
برا کہنے سے کہیے مدّعا کیا؟　　یہ سن کر چپ رہے گا دوسرا کیا؟
ڈریں کیوں پرسشِ روزِ جزا سے　　جو پوچھے ہم کو، اس کا پوچھنا کیا!
بگڑ بیٹھے عبث ذکرِ عدو پر　　سنا کیا آپ نے، میں نے کہا کیا
ادا چاکِ گریباں کی اڑائی　　کھلے رہتے تھے یوں بندِ قبا کیا؟
عدو ہو، وصل ہو، میرے گلے ہوں　　ترے دل میں بھی ہیں ارمان کیا کیا
کہا ظالم نے، سن کر داغ کا حال　　بہت اچھے ہیں، ان کا پوچھنا کیا!

نہیں آتا ہمیں برباد کرنا　　یہ پھر کہنا، یہ پھر ارشاد کرنا
جو آنکھوں میں ہے، دل میں ہو وہی نور　　الٰہی! دونوں گھر آباد کرنا

میں رازِ دل بیان کروں انجمن میں کیا
تکیہ کلام آپ کا ہے ہر سخن میں "کیا"؟
ہے ساتھ ساتھ شامِ غریبی کے کچھ دھواں
یاروں نے گھر کو آگ لگا دی وطن میں کیا؟
فتنہ، فساد، رشک، تغافل، غرور، ناز
اس کے سوا ہے اور تری انجمن میں کیا؟

قاصد کے فیصلے سے مرے ہوش اُڑ گئے
کیا جانے کہ دیا اُسے دیوانہ پن میں کیا
غربت میں پوچھ لیتے ہیں بادِ صبا سے ہم
رہتا ہے ذکرِ خیر ہمارا وطن میں کیا؟
سُن سُن کے میری شوخیِ تقریر، یوں کہا
توبہ ہے، یہ زبان رہے گی دہن میں کیا!
اے داغؔ! قدردانِ سخن اب وہیں تو ہیں
تعریف اس غزل کی نہ ہوگی دکن میں کیا!

اے نزاکت ترے قربان کہ وقتِ رخصت
وہ کہیں: ہم سے تو گھر تک نہیں جایا جاتا
میں گنہ گار نہ ہوتا جو الٰہی! مجھ کو
ہر برس نامۂ اعمال دکھایا جاتا
بازِ ہستی سے عدم میں ہے رسوا کیفیت
عمرِ رفتہ سے پلٹ کر نہیں آیا جاتا
شوق ایسا کہ تری راہ میں مر کر بھی چلوں
ضعف ایسا کہ نہیں جان سے جایا جاتا
اُٹھ کے کعبے سے نہ جاتا جو صنم خانے کو
اور پھر داغؔ کہاں بار خدایا جاتا

یہ نہ کہیے کہ نہیں اہلِ وفا میں کوئی
نام اک شخص کا ہے میری زباں پر پھرتا

قیس کو آبلۂ پا سے ہوا کیا حاصل
پانو میں ناقۂ لیلیٰ کے یہ چھالا ہوتا
تیشۂ فرہاد نے بیکار سنبھالا اے عشق!
کام بنتا، جو ذرا دل کو سنبھالا ہوتا
ہم سے یوسف کا بیاں ہی نہ کیا واعظ نے
ورنہ ہر بات میں تیرا ہی حوالا ہوتا

کچھ قیامت تو نہ تھی ہجر کی شب اے تقدیر! اس بلا کو کسی تدبیر سے ٹالا ہوتا
ہم سناتے، جو کوئی درد ہمارا سنتا دل دکھاتے، جو کوئی دیکھنے والا ہوتا

داغِ وارفتہ طبیعت کا ٹھکانا کیا ہے خانہ برباد نے مدت ہوئی گھر چھوڑ دیا

تو ہی اپنے ہاتھ سے جب دل ربا! جاتا رہا دل کی بھی پروا نہیں، جاتا رہا، جاتا رہا
دل چرا کر آپ تو بیٹھے ہوئے ہیں چین سے ڈھونڈنے والے سے پوچھے کوئی، کیا جاتا رہا
مرگِ دشمن کا، زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال دشمنی کا لطف، شکوے کا مزا جاتا رہا
ہو سکے مطلب نگاری کیا پریشاں طبع سے ذہن میں آتے ہی حرفِ مدعا جاتا رہا
اچھی صورت کی رہا کرتی تھی اکثر تاک جھانک رہ گئیں آنکھیں، مگر وہ دیکھنا جاتا رہا
کس قدر ان کو فراقِ غیر کا افسوس ہے ہات ملتے ملتے سب رنگِ حنا جاتا رہا
حرص دامن گیرِ دنیا، مالِ دنیا بے ثبات جس قدر حاصل کیا، اس سے سوا جاتا رہا

لے چلا جان مری، روٹھ کے جانا تیرا ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا تیرا
تو جو اے زلف! پریشان رہا کرتی ہے کس کے اجڑے ہوئے دل میں ہے ٹھکانا تیرا؟
آرزو ہی نہ رہی صبحِ وطن کی مجھ کو شامِ غربت! ہے عجب وقت سہانا تیرا
یہ سمجھ کر تجھے اے موت! لگا رکھا ہے کام آتا ہے برے وقت میں آنا تیرا
تو خدا تو نہیں اے ناصحِ ناداں میرا کیا خطا کی، جو کہا میں نے نہ مانا تیرا
کعبہ و دیر میں یا چشم و دلِ عاشق میں انھیں دو چار گھروں میں ہے ٹھکانا تیرا
ترکِ عادت سے مجھے نیند نہیں آنے کی کہیں نیچا نہ ہو اے گور! سرہانا تیرا

اپنی آنکھوں میں ابھی کوند گئی بجلی سی
ہم نہ سمجھے کہ یہ آنا ہے کہ جانا تیرا

داغؔ! ہر ایک زباں پر ہو فسانہ تیرا
وہ دن آتے ہیں، وہ آتا ہے زمانہ تیرا

بوالہوس کو بھی ہُوا نقدِ محبّت پہ غرور
یا الٰہی! کوئی لُٹتا ہے خزانہ تیرا؟

صفتِ حسن کرے کوئی کسی پردے میں
بول اُٹھتا ہے مری جان! فسانہ تیرا

اِس سلیقے کی عداوت کہیں دیکھی نہ سنی
تو زمانے کا عدو، دوست زمانہ تیرا

مدّعی! دیکھ، ہمیں چشمِ حقارت سے نہ دیکھ
کل ہمارا تھا، جو ہے آج زمانہ تیرا

وعدۂ حشر پہ بے ساختہ دل ٹوٹ گیا
عہد کا عہد، بہانے کا بہانہ تیرا

غرض کس کو کرے ماتم ہمارا
مبارک ہو ہمیں کو غم ہمارا

خوشی نے بزم میں کیا رنگ بدلا
کہ تم سے بڑھ کے ہے عالم ہمارا

ترے عالم کو جب سے ہم نے دیکھا
تماشائی ہے اک عالم ہمارا

پھر اِتنا بھی نہیں اے داغؔ کوئی
غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا

کون بے کس کی زمانے میں خبر لیتا ہے
دل نے سینے میں بہت شور مچایا تنہا

میں اُسی وادیٔ پُر خار میں ہوں تیز قدم
رہ گیا مجھ کو جہاں چھوڑ کے سایا تنہا

ساتھ لاکر وہ رقیبوں کو، یہ فرماتے ہیں
کیا سبب تھا، جو مجھے تو نے بلایا تنہا

ایک میں جاؤں گا ہستی سے ترا غم لے کر
واقعی جائے گا تنہا ہی، جو آیا تنہا

خلوتِ ناز کے تم نے بھی اڑائے ہیں مزے
ہم نے بھی لطف تصوّر کا اٹھایا تنہا

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا — وہ کافر صنم کیا خدا ہے کسی کا؟
ہمیشہ اِسے ہم نے مٹتے ہی دیکھا — مگر دل بھی رنگِ وفا ہے کسی کا؟
تمھیں اِس سے کیا بحث، کیوں پوچھتے ہو — کوئی تذکرہ ہو رہا ہے کسی کا
مری بزم میں آکے وہ پوچھتے ہیں — برا حال ہم نے سُنا ہے کسی کا
تمھیں فکر کیوں، رنج کیوں، لاگ کیوں ہے — کسی سے اگر واسطا ہے کسی کا
بچے جان کس طرح تیری ادا سے — قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا
مری التجا پر بگڑ کر وہ کہنا — نہیں مانتے، اس میں کیا ہے کسی کا
وہ کرنے لگے ہیں قیامت کی باتیں — یہ سچ ہے تو بس فیصلا ہے کسی کا
وہ کب تک رہے گا زمانے کا دشمن — ہمیشہ زمانہ رہا ہے کسی کا

ساقی و مے خانہ و مے ایک ہے — ہم نہ سمجھے پاک کیا، ناپاک کیا
موت سے غافل نہ ہونا چاہیے — دیکھو اس صیّاد کی ہے تاک کیا
شوق ہو تو منزلِ مقصود پر — دونوں پہنچیں، سُست کیا، چالاک کیا
پائے استقلال ثابت چاہیے — کر سکے گی گردشِ افلاک کیا

جذبِ دل آزما کے دیکھ لیا — اُس نے کچھ مسکرا کے دیکھ لیا
غیر کو مُنہ لگا کے دیکھ لیا — جھوٹ سچ آزما کے دیکھ لیا
اُن کے گھر داغ جا کے دیکھ لیا — دل کے کہنے میں آ کے دیکھ لیا
لوگ کہتے تھے چپ لگی ہے تجھے — حالِ دل بھی سُنا کے دیکھ لیا
جاؤ بھی کیا کروگے مہر و وفا! — بارہا آزما کے دیکھ لیا
حُسن کم یاب، نغمہ ہے نایاب — شہر در شہر جا کے دیکھ لیا

اب خریدار ہی نہیں کوئی — مول اپنا بڑھا کے دیکھ لیا
تم کو ہے وصلِ غیر سے انکار — اور جو ہم نے آکے دیکھ لیا!
رشک ہے، نامہ بر نے اُس کا جمال — میری آنکھوں سے جاکے دیکھ لیا
داغؔ نے خوب عاشقی کا مزا — جل کے دیکھا، جلا کے دیکھ لیا

جب یہ سُنا کہ داغؔ کا آزار کم ہوا — زانو پہ ہات مار کے بولے: ستم ہوا
بُت خانے کا نظارہ بھی گردن کا بوجھ ہے — جب سامنے پڑا سرِ تسلیم خم ہوا
تیری گلی کا ایک یہ ادنیٰ نشان ہے — پیدا اِسی سے جادۂ راہِ عدم ہوا
افسوس ہے، رقیب نے کی آپ سے دغا — مجھ کو بھی رنج آپ کے سر کی قسم ہوا
کب شکوۂ عتاب سے بے لطفیاں مٹیں — شرمندگی بڑھی جو وہاں غصّہ کم ہوا
کیا دل دھڑک رہا ہے نویدِ وصال سے — جس کو خوشی ہوئی اُسے آخر کو غم ہوا

رشکِ دشمن بھی گوارا لیکن — تجھ کو مضطر نہیں دیکھا جاتا
اے پریشاں نظری! کیوں ہے تلاش — دل کے اندر نہیں دیکھا جاتا
دل میں کیا خاک اُسے دیکھ سکیں — جس کو باہر نہیں دیکھا جاتا
توبہ کے بعد بھی خالی خالی — کوئی ساغر نہیں دیکھا جاتا
ہم جہاں ہیں وہیں دیکھیں گے تجھے — ہم سے گھر گھر نہیں دیکھا جاتا
خط مرا پھینک دیا یہ کہہ کر — ہم سے دفتر نہیں دیکھا جاتا

مختصر یہ ہے کہ اب داغؔ کا حال
بندہ پرور! نہیں دیکھا جاتا

کچھ ہمیں بھی خیال ہو ہی گیا — آخر ان سے ملال ہو ہی گیا
رنگ لایا ہے عشق آخرِ کار — ایک، دونوں کا حال ہو ہی گیا
دل لگی کا بھی ہے بُرا انجام — کہ ہنسی میں ملال ہو ہی گیا
ایسے وعدے کیے، کوئی جانے — آج پورا سوال ہو ہی گیا
گو بُرائی سے ہو مگر آخر — ان کو میرا خیال ہو ہی گیا

اب دل ہے مقام بےکسی کا — یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا
کس کس کو مزا ہے عاشقی کا — تم نام تو لو بھلا کسی کا
گلشن میں ترے لبوں نے گویا — رس چوس لیا کلی کلی کا
لیتے نہیں بزم میں مرا نام — کہتے ہیں خیال ہے کسی کا
اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں — کہنا نہیں مانتے کسی کا
ہم بزم میں اُن کی چپکے بیٹھے — مُنہ دیکھتے ہیں ہر آدمی کا
آغاز کو کون پوچھتا ہے؟ — انجام اچھّا ہو آدمی کا
بالیں پہ مرے رہا شبِ غم — اک معرکہ مرگ و زندگی کا
روکیں اُنھیں کیا کہ ہے غنیمت — آنا جانا کبھی کبھی کا
کہتے ہیں اسے زبانِ اردو — جس میں نہ ہو رنگ فارسی کا
ایسے سے جو داغؔ نے نباہی — سچ ہے کہ یہ کام تھا اسی کا

دل کے ہاتھوں ہے سخت مجبوری — اب کیا وہ جو عمر بھر نہ کیا
تم کو ہم باوفا تو کہہ دیں گے — داغؔ نے اعتبار اگر نہ کیا!

جہاں تیرے جلوے سے معمور نکلا — پڑی آنکھ جس کوہ پر، طور نکلا
وجود و عدم، دونوں گھر پاس نکلے — نہ یہ دور نکلا، نہ وہ دور نکلا
کہاں رہ کے توبہ بناہوں الٰہی! — کہ جنت میں بھی مجمعِ حور نکلا
شبِ وصل ذکرِ عدو پر وہ بولے — خدا کے لیے کیوں یہ مذکور نکلا
سمجھتے تھے ہم داغ گم نام ہوگا — مگر وہ تو عالم میں مشہور نکلا

چھپایا بہت ہم نے پہلو میں دل — کوئی لینے والا مگر لے گیا

جواب اس طرف سے بھی فی الفور ہوگا — دبے آپ سے، وہ کوئی اور ہوگا
عبث فکرِ دنیا، عبث فکرِ عقبیٰ — کہ قسمت کا ہونا، بہرطور ہوگا

عرش و کرسی پہ کیا خدا ملتا — آگے بڑھتے تو کچھ پتا ملتا
مدّعی بن کے دل بغل میں رہا — کاش! یہ دشمنوں میں جا ملتا
تیرے کوچے میں چھوڑ آئے تھے — زندہ رہتا، جو دل تو آ ملتا
عاشقی سے ملے گا اے زاہد! — بندگی سے نہیں خدا ملتا

وعدے پر انتظار کیا، ہم نے کیا کیا — جھوٹے کا اعتبار کیا، ہم نے کیا کیا
ہاں، ہاں تڑپ تڑپ کے گزاری تمھیں نے رات! — تم نے ہی انتظار کیا، ہم نے کیا کیا
اترا رہا ہے نقدِ محبت پہ دل بہت — اوچھے کو مال دار کیا، ہم نے کیا کیا

کیا فرض تھا کہ صبر ہی کرتے فراق میں — کیوں جبر اختیار کیا، ہم نے کیا کیا
کہتے ہیں وہ شکایتِ بیداد و جور پر — تجھ کو خدا نے خوار کیا، ہم نے کیا کیا
ناصح بھی ہے رقیب، یہ معلوم ہی نہ تھا — کس کو صلاح کار کیا، ہم نے کیا کیا
پہلے تو منفعل وہ ہوئے، پھر بگڑ گئے — کیوں شکوہ بار بار کیا، ہم نے کیا کیا
کہہ دیں گے ہم تو داورِ محشر سے صاف صاف — اچھوں کو دل نے پیار کیا، ہم نے کیا کیا
رسوا کیا جو دل نے تو اب کہہ رہے ہیں داغ — دشمن کو راز دار کیا، ہم نے کیا کیا

وہ اِس ادا سے وہاں جا کے شرمسار آیا — رقیب پر مجھے بے اختیار پیار آیا
یہ حال تھا شبِ وعدہ کہ تا بہ راہ گذار — ہزار بار گیا میں، ہزار بار آیا
گزر گئے اسی گردش میں اپنے لیل و نہار — شبِ فراق گئی، روزِ انتظار آیا
خدا کے واسطے، جھوٹی نہ کھایئے قسمیں — مجھے یقین ہوا، مجھ کو اعتبار آیا
ہزار فتنے، جلو میں ہیں لاکھ ہنگامے! — تمھارے ساتھ تو سامانِ روزگار آیا
کمالِ عشق کو فرہاد و قیس کب پہنچے — وہ پختہ کار ہے دل جس کا بار بار آیا
عجب نہیں جو معاصی ہوں وجہِ آمرزش — گنہ کیا تو خیالِ مآلِ کار آیا
ڈرے جو حشر میں وہ، مجھ کو دیکھتے ہی کہا — مرا رفیق، مرا داغ جاں نثار آیا

سن کر فسانہ قیس کا ظالم نے یہ کہا — عاشق خراب خستہ رہے پیشتر بھی کیا؟
فرہاد جوئے شیر سے مشہور ہو گیا — آتا ہے کام وقت پر ادنیٰ ہنر بھی کیا
کیوں داغ کے سوال سے چپ لگ گئی تمھیں — آتا نہیں جواب سمجھ سوچ کر بھی کیا؟

تمھارے خط میں نیا اک سلام کس کا تھا
نہ تھا رقیب تو آخر وہ نام کس کا تھا؟

وہ قتل کر کے مجھے ہر کسی سے پوچھتے ہیں
یہ کام کس نے کیا ہے؟ یہ کام کس کا تھا؟

وفا کریں گے، نباہیں گے، بات مانیں گے
تمھیں بھی یاد ہے کچھ، یہ کلام کس کا تھا؟

رہا نہ دل میں وہ بے درد، اور درد رہا
مقیم کون ہوا ہے، مقام کس کا تھا؟

نہ پوچھ گچھ تھی کسی کی وہاں نہ آدبھگت
تمھاری بزم میں کل اہتمام کس کا تھا؟

تمام بزم جسے سُن کے رہ گئی مشتاق
کہو، وہ تذکرۂ ناتمام کس کا تھا؟

گزر گیا وہ زمانہ، کہوں تو کس سے کہوں
خیال دل کو مرے صبح و شام کس کا تھا؟

ہر اک سے کہتے ہیں کیا داغ بے وفا نکلا
یہ پوچھے اُن سے کوئی، وہ غلام کس کا تھا؟

جوابِ خط کا میں شاکی نہیں، یہ تو بتا قاصد!
اُسے کس حال میں چھوڑا، اُسے کس حال میں دیکھا

گنہ تھا عشق تو اے داورِ محشر مقر ہوں میں
یہی اک تو نے میرے نامۂ اعمال میں دیکھا

ہوئے ہیں داغ کے مذہب سے حیراں کافر و مومن
کبھی اِس حال میں دیکھا، کبھی اُس حال میں دیکھا

توبہ ہے حسینوں کو گر پاسِ وفا ہوتا
کیا جانیے کیا کرتے، کیا جانیے کیا ہوتا

ساقی تری محفل میں چرچا ہی نہیں مے کا
اِس سے تو یہ بہتر تھا کچھ ذکرِ خدا ہوتا

دل نے مجھے تڑپایا، آنکھوں نے کیا رسوا
اپنوں سے ہُوا یہ کچھ، بیگانوں سے کیا ہوتا

غیروں کی شکایت پر، فرقت کی حکایت پر
گر تم نہ خفا ہوتے، تو کون خفا ہوتا

محفل میں سنایا تھا افسانۂ غم میں نے
الزام یہ رکھّا ہے، خلوت میں کہا ہوتا

فریاد و فغاں سے تم اے داغؔ برے ٹھہرے
کچھ بھی نہ کیا ہوتا، کچھ بھی نہ ہوا ہوتا

اگلے وقتوں کی کہانی سے انھیں نفرت ہے
کبھی افسانۂ فرہاد نہ دیکھا نہ سُنا

اب ترے کوچے کی بستی کو نظر لگتی ہے
شہر اس طرح کا آباد نہ دیکھا نہ سُنا

آسماں دور سے کرتا ہے تجھے جھک کے سلام
کوئی تجھ سا ستم ایجاد نہ دیکھا نہ سُنا

پوچھتا ہے جو کوئی خط کا ہمارے مضموں
تو وہ کہتے ہیں کسے یاد، نہ دیکھا نہ سُنا

خاک بھی اب تو نہیں خانۂ دل میں افسوس
کوئی اس طرح کا برباد نہ دیکھا نہ سُنا

موت بھی چھو نہ سکی مجھ کو رہِ اُلفت میں
میں نے پھر پھر کے اجل کو کئی منزل دیکھا

بزمِ اغیار میں تعریف مری ہوتی ہے
آج یہ طرفہ تماشا سرِ محفل دیکھا

کیا سمجھتے نہیں ظاہر کی ملاقاتوں کو
دل تمھارا نہ ملا، ہم نے گلے مل دیکھا

عبث نباہ کے وعدے سے تم تو ڈرتے ہو
یہ کون بات ہے اک دن بگاڑ کر لینا

ہمیں تو شوق ہے بے پردہ تم کو دیکھیں گے
تمھیں ہے شرم تو آنکھوں پہ ہاتھ دھر لینا

خبر کس کو وہ کس کا تھا، وہ کس کا ہے، وہ کس کا ہو
سمجھتا ہے اسی کو شیخ اپنا، برہمن اپنا

جب اٹھاتے ہیں دمِ بادہ کشی وہ ساغر
کیسی اتراتی ہوئی، جھومتی آتی ہے گھٹا
نہیں ساون میں مرے پاس وہ مہ وش اے داغ
مجھ کو تڑپاتی ہے بجلی تو رُلاتی ہے گھٹا

نکہتِ گل میں ہے لپٹ اور ہی — کس نے یہاں بندِ قبا وا کیا
دیکھتے ہی مجھ کو کہا روزِ حشر — تو نے یہاں بھی ہمیں رسوا کیا
قتلِ جہاں اس کے لیے کھیل تھا — کون کہے آپ نے یہ کیا کیا؟
غیر کے آتے ہی وہ تیور نہ تھے — تم کو انھیں باتوں نے رسوا کیا
مر کے ہوئیں زندہ بہت حسرتیں — شوق نے اعجازِ مسیحا کیا
داغ نے دیکھے ہیں ہزاروں حسیں — آپ نے کس شخص سے دعوا کیا

امّیدوار ہوں کرمِ بے حساب کا
پیتا ہوں ڈگ ڈگا کے پیالہ شراب کا
چرچا ہے اُن کے گھر میں مرے اضطراب کا
دیکھا سلوک اِس دلِ خانہ خراب کا

بے کار مفت خاک اڑاتی پھری صبا
گوشہ اُلٹ دیا نہ کسی کی نقاب کا

یہ بات ہے بہارِ چمن ہی کے واسطے
آتا نہیں پلٹ کے زمانہ شباب کا

اُٹھا ہے خوابِ ناز سے کوئی جو دن چڑھے
چمکا ہُوا ہے آج نصیب آفتاب کا

جب میں کروں سوال تو کہتے ہیں چپ رہو
کیا بات ہے، جواب نہیں اِس جواب کا!

خوشبو وہی، وہی ہے نزاکت، وہی ہے رنگ
معشوق کیا ہے، پھول ہے تو بھی گلاب کا

اُس بے قرار دل کا الٰہی علاج کیا
جس کے شکیب پر ہو گماں اضطراب کا

اے زلفِ یار وجہ بھی کچھ پیچ و تاب کی؟
اے چشمِ یار کوئی سبب بھی عتاب کا؟

غیر پر لطف و کرم بس ہو چکا — ہو چکا، ہم پر ستم، بس ہو چکا
گر یہی قسمیں ہیں تو مجھ کو یقیں — آپ کے سر کی قسم، بس ہو چکا
ہم کو اے واعظ! ابھی مرنا نہیں — وصفِ گلزارِ ارم، بس ہو چکا
دھوم ہے اب کوچۂ دلدار کی — شہرۂ دیر و حرم بس ہو چکا

کیا غرض تھی دیکھتے ہم عشق میں اچھا برا — دیکھتا تو یہ دلِ ناکام اپنا دیکھتا
نخوتِ دولت سے آنکھیں پھٹ گئیں قارون کی — کاش آنکھیں پھاڑ کر انجام اپنا دیکھتا

کوئی پھرے نہ قول سے بس فیصلا ہوا — بوسہ ہمارا، آج سے دل آپ کا ہُوا

اِس دل لگی میں حال جو دل کا ہوا ہوا — کیا پوچھتے ہیں آپ تجاہل سے کیا ہُوا؟

ماتم ہمارے مرنے کا ان کی بلا کرے — اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ: بُرا ہوا

کیا عیشِ جاوداں کہ غمِ جاوداں نہیں — انسان کو ہے موت کا کھٹکا لگا ہوا

بیگانہ تھا تو کوئی شکایت نہ تھی ہمیں — آفت تو یہ ہوئی کہ وہ مل کر جدا ہوا

جس نے کیا تپاک، اسی نے کیا ہلاک — جو آشنا ہوا وہی نا آشنا ہوا

عذرِ ستم سے بس مجھے نادم نہ کیجیے — اس تذکرے کو چھوڑیے جو کچھ ہوا، ہوا

اِس طرح کے جہان میں ہیں بے غرض کہاں — تیری نگہ ہوئی، دلِ بے مدعا ہوا

آباد کس قدر ہے الٰہی عدم کی راہ — ہر دم مسافروں کا ہے تانتا لگا ہوا

کس کس طرح سے اس کو جلاتے ہیں رات دن — وہ جانتے ہیں داغ ہے ہم پر مٹا ہوا

زباں ہلاؤ تو ہو جائے فیصلہ دل کا — اب آچکا ہے لبوں پر معاملہ دل کا

قصور تیری نگہ کا ہے، کیا خطا اس کی — لگاوٹوں نے بڑھایا ہے حوصلہ دل کا

نہ جان دیتے بَن آئے، نہ زندہ رہتے بنے — بگڑ گیا ہے یہ کیسا معاملہ دل کا

شباب آتے ہی اے کاش موت بھی آتی — ابھارتا ہے اسی سن میں ولولہ دل کا

ملی بھی ہے کبھی عاشق کی داد دُنیا میں — ہُوا بھی ہے کبھی کم بخت فیصلہ دل کا

کروں تو داورِ محشر کے سامنے فریاد — تجھی کو سونپ نہ دے وہ معاملہ دل کا

نہ آئیں خضر کبھی بھول کر بھی آپ ادھر — جناب من! نہیں آسان مرحلہ دل کا

کچھ اور بھی تجھے اے داغ بات آتی ہے
وہی بُتوں کی شکایت، وہی گِلہ دل کا

تم گلے جب نہ ملو، لطفِ ملاقات ہی کیا
مان بھی جاؤ مری بات، یہ ہے بات ہی کیا
جا کے پی آئے وہاں، آتے ہی توبہ کرلی
اس قدر دور ہے مسجد سے خرابات ہی کیا
مے انگور فرشتوں کی بھی قسمت میں نہیں
اس سے محروم ہیں اک قبلۂ حاجات ہی کیا
اب تمنّائے شبِ وصل ہے کس کافر کو
بات کرنے میں گزر جائے تو وہ رات ہی کیا

نامہ بر چرب زبانی تو بہت کرتا ہے
دل گواہی نہیں دیتا کہ اُدھر جائے گا
غیر کا قصّہ شبِ وصل میں کیوں لے بیٹھے
باتوں باتوں میں یونہی وقت گزر جائے گا
کسی بندے پہ بُرا وقت نہ ڈالے اللہ
کیا خبر تھی کوئی یوں ہجر میں مرجائے گا

مایوس ہجر میں دلِ ناکام ہوگیا
رخصت ہو اے اجل، مجھے آرام ہوگیا
رہتا نہیں ہے اپنا مقدّر بھی اپنے ساتھ
وہ بھی شریکِ گردشِ ایام ہوگیا
قاصد کے ہاتھ چوم لیے میں نے لے کے خط
یہ اک طرح کا بوسہ بہ پیغام ہوگیا
دُنیا میں داغ صاحبِ اعزاز ہے تو ہو
وہ آپ کا تو بندۂ بے دام ہوگیا

نام زیرِ آسماں باقی رہا
مرمٹوں کا یوں نشاں باقی رہا
مٹ چکا گو اک زمانے کا خیال
پھر بھی دل میں اک جہاں باقی رہا

جا چکا اے داغؔ سب مال و متاع　　شکر ہے لطفِ زباں باقی رہا

بادِ صبا نے بھی نہ کیا اس کو بے حجاب　　سینے پہ ہاتھ آ گئے جب شانہ کھُل گیا
اس مے کدے سے ہم تو چلے تشنہ کام ہی　　بس ہم پہ ظرفِ ساقی و پیمانہ کھُل گیا!
اے داغؔ وقتِ مرگ ہوا امتحاں ہمیں　　اِس وقت میں یگانہ و بیگانہ کھُل گیا

نہ دینا خطِ شوق گھبرا کے پہلے　　محل موقع اے نامہ بر دیکھ لینا
تماشائے عالم کی فرصت ہے کس کو　　غنیمت ہے بس اک نظر دیکھ لینا
جلایا تو ہے داغؔ کے دل کو تم نے　　مگر اِس کا ہوگا اثر دیکھ لینا

شوق ہے اُس کو خود نمائی کا　　اب خدا حافظ اس خدائی کا
وصل پیغام ہے جدائی کا　　موت انجام آشنائی کا
کسی بندے کو دردِ عشق نہ دے　　واسطہ اپنی کبریائی کا
اشک آنکھوں میں، داغ ہیں دل میں　　یہ نتیجہ ہے آشنائی کا
ہنسی آتی ہے اپنے رونے پر　　اور رونا ہے جگ ہنسائی کا
اُڑ گئے ہوش دام میں پھنس کر　　قید کیا نام ہے جدائی کا؟

بُت کدے کی جو سیر کی ہم نے
کارخانہ ہے اک خدائی کا

کیوں نہ ہو غیر کی دعا مقبول — وہ خدائے کریم ہے سب کا
داغِ مے کو نہ دیکھ اے زاہد! — دل تو ہے پاک رند مشرب کا
کافرِ عشق کیوں مسلماں ہو — سب کو ہے پاس اپنے مذہب کا

کیوں مفت میں دیوانہ بنوں چھوڑ کے تجھ کو
دامن میں جو ہے ہاتھ گریباں میں نہ ہوگا
کیا خوفِ اذاں ہم کو شبِ وصل یقیں ہے
اللہ کا گھر کوچۂ جاناں میں نہ ہوگا

تم کو کیا ہر کسی سے ملنا تھا — دل ملا کر مجھی سے ملنا تھا
پوچھتے کیا ہو: کیوں لگائی دیر — اک نئے آدمی سے ملنا تھا
مل کے غیروں سے بزم میں یہ کہا — مجھ کو آ کر سبھی سے ملنا تھا
کیوں بہانے کیے شبِ وعدہ — صاف کہہ دو کسی سے ملنا تھا

سنتا ہوں کہ ناصح کی زباں بند ہوئی ہے — ہر روز کی جھک جھک سے مرا ناک میں دم تھا
یہ شکوۂ فرقت پہ کہا پیار سے اس نے — مجھ کو بھی بہت رنج ترے سر کی قسم تھا
دل خون ہوا، خاک ہوا، خوب ہوا داغ
ہر آن کی تکلیف تھی، ہر وقت کا غم تھا

گلزارِ داغ

سلامت منزلِ مقصود تک اللہ پہنچا دے — مجھے آنکھیں دکھاتا ہے ہر اک نقشِ قدم میرا
الٰہی کعبۂ تسلیم میں یوں باریابی ہو — بڑھے لبیک کہہ کر پیشتر سب سے قدم میرا
مجھے آباد کرتا ہے، مجھے برباد کرتا ہے — خدایا دین و دنیا میں کرم تیرا ستم میرا
تری بندہ نوازی ہفت کشور بخش دیتی ہے — جو تو میرا، جہاں میرا، عرب میرا، عجم میرا
فنا فی اللہ ہو کر پاؤں عمرِ جاوداں ایسی — مسیحؑ و خضرؑ کی ہستی سے بڑھ کر ہو عدم میرا
سنا جب سے یہ دولت آدمی کو تو نے بخشی ہے — نہیں پھولا سماتا خاطرِ غم گیں میں غم میرا

صبر لے زاہدِ نافہم، نہ مے خواروں کا — بخشنے والا بھی دیکھا ہے گنہ گاروں کا
ڈر گئے نامِ شفا سن کے، زہے خواہشِ مرگ — منہ ذرا سا نکل آیا ترے بیماروں کا
اشکِ خوں آنکھ سے چلتے ہوئے اتنے ٹپکے — کہ جہاں میں ہوں وہاں فرش ہے انگاروں کا

گر میرے بتِ ہوش ربا کو نہیں دیکھا — اس دیکھنے والے نے خدا کو نہیں دیکھا
رہ بر سے غرض کیا ہے جو منزل نظر آئے — کعبے میں کبھی قبلہ نما کو نہیں دیکھا
سمجھا ہے شبِ ہجر عدو کو وہ قیامت — ظالم نے ابھی روزِ جزا کو نہیں دیکھا
جنت ہے مگر خانۂ دشمن بھی الٰہی! — آتے ہوئے اس گھر میں قضا کو نہیں دیکھا

جس شکل سے ہنستے ہیں مرے حال پہ احباب
روتے ہوئے یوں اہلِ عزا کو نہیں دیکھا

ایسی نظرِ شوخ میں تمکیں نہیں دیکھی
اس طرح تغافل میں حیا کو نہیں دیکھا

جب داغ کو ڈھونڈا، کسی بت خانے میں پایا
گھر میں کبھی اس مردِ خدا کو نہیں دیکھا

آج راہی جہاں سے داغ ہوا
خانۂ عشق بے چراغ ہوا

نہ مٹا نقشِ غیر جی سے ترے
یہ بھی میرے ہی دل کا داغ ہوا

کیا اثر ہے کہ غنچۂ تصویر
اس کے ہنسنے سے باغ باغ ہوا

ہماری آنکھوں نے بھی تماشا عجب عجب انتخاب دیکھا
بُرائی دیکھی، بھلائی دیکھی، عذاب دیکھا، ثواب دیکھا

نہ دل ہی ٹھہرا، نہ آنکھ جھپکی، نہ چین پایا، نہ خواب آیا
خدا دکھائے نہ دشمنوں کو، جو دوستی میں عذاب دیکھا

پڑے ہوئے تھے ہزاروں پردے کلیم دیکھو تو جب بھی غش تھے
ہم اس کی آنکھوں کے صدقے جس نے وہ جلوہ یوں بے حجاب دیکھا

جو راہ میں تیری آکے بیٹھے وہ فکرِ دیر و حرم سے چھوٹے
کہ تیرے کوچے کے ساکنوں نے بہشت میں بھی عذاب دیکھا

سُرور و عیش و نشاط کیسے، بدل گئے رنگ ہی جہاں کے
سُنا نہ کانوں سے تھا جو ہم نے، وہ آنکھ سے انقلاب دیکھا

کیا جانے چپ ہوں کیوں تری صورت کو دیکھ کر
آئینہ میں نہیں ہوں کہ حیران ہو گیا

رندانِ بے ریا کی ہے صحبت کسے نصیب
زاہد بھی، ہم میں بیٹھ کے انسان ہوگیا

اِس غنچے میں سمائی ہے وحشت بہ رنگِ بو
دل کتنی تنگیوں پہ بیابان ہوگیا

حسرت کسی طرف ہے، تمنّا کسی طرف
مجموعہ اپنے دل کا پریشان ہوگیا

امّید ہے کہ بہرِ عیادت وہ آئیں گے
آزار میری جان کا ارمان ہوگیا

لو اے بتو، سنو کہ وہ داغؔ صنم پرست
مسجد میں جا کے آج مسلمان ہوگیا

دل لے کے اس کی بزم میں جایا نہ جائے گا
یہ مدّعی بغل میں چھپایا نہ جائے گا

اے حشر! امتیاز کہ ہم ہیں شہیدِ ناز
مُردوں کی طرح ہم کو اٹھایا نہ جائے گا

دل کیا ملاؤگے کہ ہمیں ہوگیا یقیں
تم سے تو خاک میں بھی ملایا نہ جائے گا

جو دل دکھا رہا ہے مزا ہر گھڑی مجھے
آنکھوں سے سو برس بھی دکھایا نہ جائے گا

دشمن کے آگے سر نہ جھکے گا کسی طرح
یہ آسماں، زمیں سے ملایا نہ جائے گا

فتنہ نہیں ہوں جس کو اٹھایا کرے فلک
مجھ سے گرے ہوئے کو اٹھایا نہ جائے گا

زلفیں نہیں کہ شانے سے آراستہ کیا
بگڑا ہوا مزاج بنایا نہ جائے گا

اے داغؔ! تجھ کو رزق کی خواہش ہے چرخ سے
اتنا یہ غم کھلائے گا، کھایا نہ جائے گا

لے ہی تو آئیں گے اُسے ہم دم! میرے ہی نام سے تو آئے گا !
دل کا آنا ہے، کام سے جانا جائے گا کام سے، تو آئے گا

ستم وہ چشمِ کافر سے تری چلنا اشاروں کا
غضب، وہ دل پکڑ کر بیٹھ جانا بے قراروں کا
سنو افسانہ، فرہاد، دیکھو قصۂ مجنوں
غرض کیا تم کو، پوچھو حال ہم حسرت کے ماروں کا

ہائے مہمان کہاں یہ غمِ جاناں ہوگا
خانۂ دل تو کوئی روز میں ویراں ہوگا
ہو کے ظاہر تو کیا عشق نے اک حشر بپا
حسرت اس دل پہ کہ جس دل میں یہ پنہاں ہوگا
منحصر دل ہی پہ رکھتا نہ محبت تیری
میں نہ سمجھا تھا یہ کم بخت پشیماں ہوگا
کوستا ہوں جو نصیبوں کو تو کہتا ہے وہ شوخ
پھر محبت نہ کرے گا اگر انساں ہوگا
زندگی عشق میں مشکل ہے تو مرجائیں گے
اب سے وہ کام کریں گے کہ جو آساں ہوگا
آپ کے سر کی قسم، داغ کو پروا بھی نہیں
آپ کے ملنے کا ہوگا، جسے ارماں ہوگا

ہے نسیمِ صبح کیا کیا عطر افشاں، مشک بیز
رات کس کا طرۂ طرار برہم ہوگیا

بن گئی فرقت میں جو کچھ اپنے جی پر بن گئی
ہوگیا، جو کچھ ہمارے دل کا عالم ہوگیا

کیوں تغافل ہم سے ہے، چشمِ عداوت ہی سہی
کیا نگاہِ ناز میں اب قہر بھی کم ہوگیا

رات بھر کہتے رہے تم داغ ان سے دل کا حال
ایک شب میں اِس قدر اخلاص باہم ہوگیا!

کی ترک مے تو مائلِ پندار ہوگیا
میں توبہ کر کے اور گنہ گار ہوگیا

اس کی طرف سے دل نہ پھرے گا کہ ناصحو
اب ہوگیا یہ جس کا طرفدار ہوگیا

کس کس کی چاہ کیجیے، کس کس کی آرزو
اک دل ہزار غم میں گرفتار ہوگیا

وہ فتنہ، جس کا حشر پر اٹھنا ہے منحصر
ہر بار تیری چال سے بیدار ہوگیا

اک حرفِ آرزو پہ وہ مجھ سے خفا ہوئے
اتنی سی بات کہہ کے گنہ گار ہوگیا

اے داغ کیا بتائیں، محبت میں کیا ہوا
بیٹھے بٹھائے جان کو آزار ہوگیا

تو حسرتیں تو آئیں، گیا ایک دل گیا
ملنا تھا جو مجھے، مری قسمت کا مل گیا

اللہ رے جامہ زیب! تری جامہ زیبیاں
پہنا جو تو نے رنگ، وہی رنگ کھِل گیا

جہاں میں آئے تھے کیا رنج ہی اٹھانے کو
الٰہی! تو نے ہمیں کس بلا میں ڈال دیا

خدا کریم ہے یوں تو مگر ہے اتنا رشک
کہ میرے عشق سے پہلے تجھے جمال دیا

تمھی کہو کہ کہاں تھی یہ وضع ، یہ ترکیب
ہمارے عشق نے سانچے میں تم کو ڈھال دیا

بتائیں لفظِ تمنّا کے تم کو معنی کیا
تمھارے کان میں اک حرف ہم نے ڈال دیا

ہمیں خدا نے بہت رنج و غم دیا اے داغؔ
بتوں کے دل میں نہ تھوڑا سا رحم ڈال دیا

ستم ہی کرنا ، جفا ہی کرنا ، نگاہِ الفت کبھی نہ کرنا
تمھیں قسم ہے ہمارے سر کی ، ہمارے حق میں کمی نہ کرنا

ہماری میت پہ تم جو آنا ، تو چار آنسو بہا کے جانا
ذرا رہے پاسِ آبرو بھی ، کہیں ہماری ہنسی نہ کرنا

لیے تو چلتے ہیں حضرتِ دل ، تمھیں بھی اس انجمن میں لیکن
ہمارے پہلو میں بیٹھ کر تم ، ہمیں سے پہلو تہی نہ کرنا

ہلاکِ اندازِ وصل کرنا کہ پردہ رہ جائے کچھ ہمارا
غمِ جدائی میں خاک کر کے ، کہیں عدو کی خوشی نہ کرنا

ہوا ہے گر شوق آئنے سے ، تو رخ رہے راستی کی جانب
مثالِ عارض صفائی رکھنا ، بہ رنگِ کاکل کجی نہ کرنا

وہ اک ہمارا طریقِ الفت کہ دشمنوں سے بھی مل کے چلنا
وہ ایک شیوہ ترا ستم گر، کہ دوست سے دوستی نہ کرنا
ہم ایک رستہ گلی کا اس کی دکھا کے دل کو ہوئے پشیماں
یہ حضرتِ خضر کو جتا دو، کسی کی تم رہ بری نہ کرنا
بُری ہے اے داغؔ راہِ الفت، خدا نہ لے جائے ایسے رستے
جو اپنی تم خیر چاہتے ہو، تو بھول کر دل لگی نہ کرنا

رہے ہو جس طرح دل میں، رہو نظروں میں بھی یوں ہی
کہاں کی ایسی گھبراہٹ ہے ٹھیرو، دم تو لو، جانا
بظاہر ہے دوئی، پر اصل میں وحدت ہی وحدت ہے
نہ جانا ایک تو نے ہائے غافل، دو کو دو جانا
بہت باغِ جہاں میں سیر کی اے داغؔ کیا کہیے
نہ دیکھا ہم نے جو دیکھا، نہ جانا ہم نے جو جانا

نہیں معلوم اک مدت سے قاصد حال کچھ واں کا
مزاج اچھا تو ہے یا دش بخیر، اُس آفتِ جاں کا
یہ کیا ہے آج غیروں سے مری تعریف ہوتی ہے
یہ کیا ہے؟ خود بیاں ہوتا ہے اپنے جورِ پنہاں کا
کسی کی شرم آلودہ نگاہوں میں یہ شوخی ہے
اِسے دیکھا، اُسے دیکھا، اِدھر تاکا، اُدھر جھانکا

کیا ہے ایک دستِ آرزو نے وار دو جانب
زلیخا کے جگر تک چاک ہے یوسف کے داماں کا

دلِ آشفتہ ذکرِ زلف سے کیا کیا اُلجھتا ہے
سُنا جاتا نہیں قصہ پریشاں سے پریشاں کا

کہے دیتا ہوں جو گزری ہے، پر اے داورِ محشر!
نہ آئے تذکرہ مجھ سے کسی کے عشقِ پنہاں کا

ہمارے داغِ عصیاں، داؔغ کیا کیا رنگ لائیں گے
گماں گزرے گا دوزخ پر بھی جنّت کے گلستاں کا

جو ہو سکتا ہے اُس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا

محبّت میں کرے کیا، کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا
مرا مرنا بھی تو میری خوشی سے ہو نہیں سکتا

مرا دشمن بظاہر چار دن کو دوست ہے تیرا
کسی کا ہو رہے، یہ ہر کسی سے ہو نہیں سکتا

ہُوا ہوں اس قدر محجوب عرضِ مدعا کر کے
کہ اب تو عذر بھی شرمندگی سے ہو نہیں سکتا

مزا جو اضطرابِ شوق سے عاشق کو حاصل ہے
وہ تسلیم و رضا و بندگی سے ہو نہیں سکتا

خدا جب دوست ہے اے داؔغ کیا دشمن سے اندیشہ
ہمارا کچھ کسی کی دشمنی سے ہو نہیں سکتا

وہ بت کرے خدائی کی باتیں، خدا کی شان　　جو حرف پڑھ سکے نہ کلام مجید کا

زندہ عیسیٰ کا نام کرنا تھا　　اس طرف بھی خرام کرنا تھا
تھی نہ تابِ ستم تو حضرتِ دل!　　عاشقی کو سلام کرنا تھا

بلا سے اضطراب و درد بن کر ہی ٹھہر رہنا
کسی صورت سے تم رہنا، مرے دل میں مگر رہنا
اُٹھانا ظلم عادت ہے مری، الفت نہیں تیری
کبھی تو اس بھلاوے میں نہ اے بیداد گر رہنا
گیا تھا کہ کے اب آتا ہوں، قاصد کو تو موت آئی
دلِ بے تاب، واں جا کر کہیں تو بھی نہ مر رہنا
ڈرو اللہ سے اے داغؔ، دیکھو ہوش میں آؤ
بتوں کی یاد میں غافل خدا سے اس قدر رہنا

ترے خرام سے برپا ہے شور و شر کیسا　　اُٹھا یہ فتنہ قیامت سے پیشتر کیسا
سنبھل سنبھل کے بگڑتا ہے کچھ دلِ بیتاب　　الٰہی آج یہ صدمہ ہے جان پر کیسا
وہ پا شکستہ ہوں، گم کردہ راہ، خانہ خراب
کہ دشت بھی نہیں مجھ کو نصیب، گھر کیسا

سہل ہونا مری مشکل کا، بہت مشکل ہے
کام دشوار وہ نکلا جسے آساں سمجھا
وصل کا وعدہ اشارے سے کہیں ہوتا ہے
میں ترے سر کی قسم، کچھ نہ مری جاں سمجھا

زاہد مری تقدیر میں وہ دشمنِ دیں تھا — مجبور ہوں، اللہ کو منظور یونہیں تھا
اب دل میں ہوا تیری جگہ درد کا مسکن — یہ وہ ہی مکاں ہے کبھی تو جس میں مکیں تھا
زندہ نہ مسیحا سے ہوا کشتۂ الفت — مُردوں کو جلانا تو کچھ اعجاز نہیں تھا

نہ آیا نامہ بر اب تک، گیا تھا کہہ کے اب آیا
الٰہی کیا ستم ٹوٹا، خدایا کیا غضب آیا؟
غضب ہے جن پہ دل آئے، کہیں انجان بن کر وہ
کہاں آیا، کدھر آیا، یہ کیوں آیا، یہ کب آیا؟

کھا گیا مغز ناصحِ ناداں — مجھ کو اِس خیر خواہ نے مارا
ضبط کر دردِ عشق کو اے دل! — اس تری آہ، آہ نے مارا
پھر گیا روزِ حشر دِل مجھ سے — مجھ کو مل کر گواہ نے مارا
مر گئے ہم تو وضع داری میں — دوستی کے نباہ نے مارا
چرخ سے عمرِ خضر مانگی تھی — جان سے کینہ خواہ نے مارا

اے اہلِ بزم، چشمِ مروّت کو کیا ہوا؟ کیوں دیکھتے نہیں مری صورت کو، کیا ہوا!
تلوار بے تکان اُٹھاؤ نہ ہاتھ میں خلقت کہے گی: نازو نزاکت کو کیا ہوا!
یاں فرطِ غم سے دل پہ بنی، واں وہ تمکنت پوچھا نہ جھوٹے مُنہ بھی، طبیعت کو کیا ہوا!
بے جستجو ملے گا نہ اے دل، سراغِ دوست تو کچھ تو قصد کر، تری ہمّت کو کیا ہوا!

حسرتیں معشوق کی، غم آسمانِ پیر کا لے گیا دنیا سے میں، جو تھا مری تقدیر کا
آنکھ کے ملتے ہی باہم چھاگئیں حیرانیاں آئینے کی شکل یاں، عالم وہاں تصویر کا

غضب کیا، ترے وعدے پہ اعتبار کیا تمام رات قیامت کا انتظار کیا
کسی طرح جو نہ اُس بُت نے اعتبار کیا مری وفا نے مجھے خوب شرمسار کیا
تجھے تو وعدۂ دیدار ہم سے کرنا تھا یہ کیا کیا کہ جہاں کو امیدوار کیا
نہ اس کے دل سے مٹایا کہ صاف ہو جاتا صبا نے خاک پریشاں مرا غبار کیا
ہم ایسے محوِ نظارہ نہ تھے جو ہوش آتا مگر تمھارے تغافل نے ہوشیار کیا
رقیب و شیوۂ الفت، خدا کی قدرت ہے وہ اور عشق؟ بھلا تم نے اعتبار کیا!
ہُوا ہے کوئی مگر اس کا چاہنے والا کہ آسماں نے ترا شیوہ اختیار کیا
فسانۂ شبِ غم، ان کو اک کہانی تھی کچھ اعتبار کیا، کچھ نہ اعتبار کیا
کچھ آگے داورِ محشر سے ہے امید مجھے! کچھ آپ نے مرے کہنے کا اعتبار کیا!!

باقی جہاں میں قیس نہ فرہاد رہ گیا افسانہ عاشقوں کا فقط یاد رہ گیا
محشر میں جائے شکوہ کیا شکرِ یار کا جو بھولنا تھا مجھ کو وہی یاد رہ گیا

پُر نور ہو رہے گا یہ ظلمت کدہ اگر دِل میں بُتوں کا شوقِ خداداد رہ گیا
ناصح کا جی چلا تھا ہماری طرح مگر الفت کی دیکھ دیکھ کے افتاد رہ گیا

یقیں اے دل نہ کر تو اس کے مژگاں کے اشارے کا
بھروسا کیا ارے نادان! تنکے کے سہارے کا
مرے اشکوں میں ہے یا تیرے دندانِ مصفّا میں
گہرُ کی آب، ہیرے کی تجلّی، نور تارے کا

دشتِ وحشت میں ہر اک بے سر و ساماں نکلا
تنِ عریاں کا مرے سایہ بھی عُریاں نکلا
قول پورا تھا پر اُس عہد شکن کے مُنہ سے
ٹکڑے ہو کر سخنِ وعدہ و پیماں نکلا
شرمگیں چشم میں اس برقِ نظر کا جلوہ
ایک شعلہ سا تہِ دامنِ مژگاں نکلا

تری الفت کی چنگاری نے ظالم اک جہاں پھونکا
اِدھر چمکی، اُدھر نکلی، یہاں پھونکا، وہاں پھونکا
مُجھے کیوں کر یقیں ہو آگ ظالم کو جلائے گی
کسی دن آتشِ رنگِ شفق نے آسماں پھونکا؟

کہاں صیّاد، کیسا باغباں، کس پر گری بجلی
چمن میں آتشِ گل نے ہمارا آشیاں پھونکا
ہمارے دل کے ہوتے طورِ سینا کو جلانا تھا؟
تری برقِ تجلّی نے کسے پھونکا، کہاں پھونکا!

جان جاتی دکھائی دیتی ہے — اُن کا آنا نظر نہیں آتا
دل نے اُس بزم میں بٹھا تو دیا — اُٹھ کے جانا نظر نہیں آتا
رہیے مشتاقِ جلوۂ دیدار — ہم نے مانا نظر نہیں آتا
لے چلو مجھ کو رہروانِ عدم — یاں ٹھکانا نظر نہیں آتا
تم ملاؤگے خاک میں ہم کو — دل ملانا نظر نہیں آتا
دلِ پُر آرزو لُٹا اے داغ! — وہ خزانہ نظر نہیں آتا

آنکھ کھُلتے ہی خوابِ غفلت سے — ہائے کیا کیا نظر نہیں آتا
ہم تو کہنے کو حالِ دل کہہ دیں — سننے والا نظر نہیں آتا
ڈھونڈتی ہیں جسے مری آنکھیں — وہ تماشا نظر نہیں آتا
تو نے جس دن سے کی مسیحائی — کوئی اچھا نظر نہیں آتا
کوئی دل تیرے عہد میں ظالم! — بے تمنّا نظر نہیں آتا
دل کا آئینہ دیکھنے کو بنا — پر جو چاہا، نظر نہیں آتا
کس کو رکھوں نظر میں یئں اپنی
کوئی اتنا نظر نہیں آتا

شبِ فراق جو دستِ دعا بلند ہُوا — ندائیں آئیں کہ بابِ قبول بند ہُوا
وفورِ عجز پہ سَو سَو غرور مجھ کو ہوئے — بڑا ہی ناز ہُوا، جب نیاز مند ہُوا
مری زباں نہ تھکی، رات کٹ گئی ساری — کُھلا جو شکووں کا دفتر تو پھر نہ بند ہُوا

عرضِ وفا پہ دیکھنا اس کی ادائے دل فریب — دل میں کچھ اعتبار سا، آنکھ میں کچھ ملال سا
فتنۂ حشر کب اٹھا اس کے خرامِ ناز سے — وہ بھی پڑا ہے میری طرح راہ میں پائمال سا
پوچھتے کیا ہو کون تھا، ہو نہ ہو وہ ہی داغ ہو — در پہ تمھارے تھا مگر کوئی شکستہ حال سا

زلف برہم، عرق آلودہ جبیں، دامن چاک — کس کی آغوش سے تو جان چھڑا کر نکلا
جذبِ دل کا ہو بُرا کھینچ بلایا اُس کو — جو نہ در تک کبھی آیا تھا، وہ باہر نکلا
عشق نے خوب کیا ظاہر و باطن یکساں — داغ جو سینے پہ دیکھا وہی دل پر نکلا
ہم تو بے نام و نشاں آپ کی الفت میں ہوئے — آپ کا نام نکلنا تھا، ستم گر نکلا
نام اُس کا تو مرے دل میں نہاں تھا ناصح — ہائے کم بخت ترے مُنھ سے یہ کیوں کر نکلا
آفریں داغ تجھے، خوب نبھائی تو نے — مرحبا! کوچۂ دلدار سے مر کر نکلا

دل گیر ہو کے غنچہ بہارِ چمن ہُوا — دل تنگ بھی ہوا تو اسی کا دہن ہوا
جوشِ جنوں نے ساتھ دیا جوشِ حسن کا — ٹکڑے اُدھر نقاب، اِدھر پیرہن ہوا
زخمِ کہن نے آج رُلایا بہت لہو — اُتری ہوئی بہار سے تازہ چمن ہوا
اے عشق، سن نہ لے کہیں فرہاد یہ صدا — تیشہ پکارتا ہے کہ میں کوہ کن ہوا
جس لب کو حرفِ وعدہ نزاکت سے بار تھا — سنتا ہوں آج میں کہ وہ پیماں شکن ہوا

ہاتھوں سے جو بچے تری باتوں سے مر گئے
چٹکی میں تھا جو تیر وہ لب پہ سخن ہوا

وہ اور ہیں جو پیتے ہیں موسم کو دیکھ کر
آتی رہے بہار، میں توبہ شکن ہوا

تہمت نہ رکھ خدا کے لیے مجھ پہ زاہدا!
کب میں نے توبہ کی تھی جو توبہ شکن ہوا

منتوں سے بھی نہ وہ حور شمائل آیا
کس جگہ آنکھ لڑی، ہائے کہاں دل آیا

ہم نہ کہتے تھے نہ کر عشق، پشیماں ہوگا
جو کیا تو نے وہ آگے ترے اے دل آیا

جس نے کچھ ہوش سنبھالا، وہ جواں قتل ہوا
عہدِ پیری نہ ترے عہد میں قاتل آیا

دین و دنیا سے گیا تو یہ سمجھ لے اے داغ
غضب آیا اگر اس بت پہ ترا دل آیا

دل ہوا خاک تو اکسیر کسی نے جانا
تھا یہ جب مال تو کوئی بھی خریدار نہ تھا

بات کیا چاہیے جب مفت کی حجت ٹھہری
اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہ گار نہ تھا

سحر تھی چشمِ فسوں ساز کہ ملتے ہی نظر
میں نے پہلو میں جو دیکھا تو دلِ زار نہ تھا

آپ کی برہم مزاجی کا ٹھکانا ہی نہیں
یہ تو مجھ کم بخت کا حالِ پریشاں ہوگیا

دل میں لے دے کر رہا تھا ایک قطرہ خون کا
کچھ نثارِ غم ہوا، کچھ صرفِ مژگاں ہوگیا

بوسہ لے کر دل دیا ہے اور پھر نالاں ہیں داغ
کوئی جانے مفت کا حضرت کا نقصاں ہوگیا

یہ داغ رند کب آلودۂ شراب نہ تھا
خراب آج ہوا، آج تک خراب نہ تھا؟

نگاہِ شوق پر الزام بے قراری کا
تمھاری برقِ تجلی کو اضطراب نہ تھا؟

وہ جب چلے تو قیامت بپا تھی چار طرف   ٹھہر گئے تو زمانے کو انقلاب نہ تھا

ہمارے حال کو جس نے سُنا، کہا سب جھُوٹ
کوئی زبان نہ تھی جس پہ یہ جواب نہ تھا
نہ پوچھ مجھ سے مرے جرم داورِ محشر!
مرے گناہوں کا دُنیا میں بھی حساب نہ تھا

کیوں کر اُس کی نگہِ ناز سے جینا ہوگا   زہر دے اُس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا
چین دیتے نہیں وہ داغؔ کسی طرح مجھے   میں جو مرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جینا ہوگا

لاگ نے دل کی کھو دیا سب سے   اُسی کم بخت کا خیال رہا
عشق کے زور شور تو دیکھو   جو بھُلایا وہی خیال رہا
ذکرِ روزِ جزا پہ کہتے ہیں   اور جو ہم پر ہی انفصال رہا
شبِ غم بھی گزر ہی جائے گی   نہ رہے گا نہ ایک حال رہا

بے خود جو ہُوا میں تو غضب ٹوٹ پڑا ہے
آئینہ تمھیں دیکھ کے حیراں نہ ہُوا تھا؟

نفس کے آنے جانے پر بشر کی زندگی ٹھہری
یہ پوچھو تو، مسافر تو نے کیا لطفِ سفر پایا

نام رکھتے ہیں مسیحا کو وہ یہ یہ کہہ کہہ کر
لب پہ اعجاز ہوا، آنکھ میں جادو نہ ہُوا

بزمِ اغیار کا مذکور ہے میرے آگے
وہ بھی اس طرح کہ: افسوس وہاں تو نہ ہُوا

پندگو! لطفِ ملاقات اسے کہتے ہیں
خوش کبھی میں نہ ہُوا، شاد کبھی تو نہ ہوا

منصفی ہو تو غضب، نا منصفی ہو تو ستم
اس نے میرا فیصلہ موقوف مجھ پر رکھ دیا

نامہ بر کہتا ہے مجھ سے، کیا کرامت ہے تمھیں
جو وہ لکھتے وہ بھی تم نے خط میں لکھ کر رکھ دیا

کل چھڑا لیں گے یہ زاہد، آج تو ساقی کے ہاتھ
رہن اک چُلّو پہ ہم نے حوضِ کوثر رکھ دیا

آتشِ دوزخ پہ ہوگا آتشِ تر کا گماں
گر کسی مے کش نے اپنا دامنِ تر رکھ دیا

زندگی میں پاس سے دم بھر نہ ہوتے تھے جدا
قبر میں تنہا مجھے یاروں نے کیوں کر رکھ دیا

داغؔ کی شامت جو آئی، اضطرابِ شوق میں
حالِ دل کم بخت نے سب ان کے مُنہ پر رکھ دیا

سچ تو یہ ہے کہ مزا شوق کا انکار سے ہے
شوق سا شوق رہا جب انھیں انکار رہا

کب ہوا اے بتِ بیگانہ منش تو اپنا ۔۔۔ دل جو اپنا ہے، نہیں اس پہ بھی قابو اپنا
تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام ۔۔۔ تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا
نہ بنا ہو یہ کہیں غیر کے سر کا تکیہ ۔۔۔ مسکراتے ہیں وہ کیوں دیکھ کے زانو اپنا
آتشِ دل ہی غنیمت ہے شبِ فرقت میں ۔۔۔ گرم رہتا ہے اسی آگ سے پہلو اپنا
لگ گئی چُپ تجھے اے داغِ حزیں کیوں ایسی ۔۔۔ مجھ کو کچھ حال تو کم بخت بتا تو، اپنا

آؤ مل جاؤ کہ یہ وقت نہ پاؤ گے کبھی ۔۔۔ میں بھی ہمراہ زمانے کے بدل جاؤں گا
دل لگاتا نہ کبھی دارِ فنا میں ہرگز ۔۔۔ کیا خبر تھی مجھے آج آؤں گا کل جاؤں گا
اپنے سر کوئی بھی لیتا ہے پرائی آفت ۔۔۔ طور آگاہ نہ تھا اس سے کہ جل جاؤں گا
قبر میں حسرت و ارماں ہیں غنیمت اے داغ ۔۔۔ رفتہ رفتہ اِنھیں یاروں میں بہل جاؤں گا

جہاں میں کیا نہ ڈھونڈا، کیا نہ پایا ۔۔۔ مزاج اُن کا، دماغ اُن کا نہ پایا
خوشی ملتی تو کیا ملتی، ازل میں ۔۔۔ غنیمت ہے کہ غم تھوڑا نہ پایا
ترے دستِ حنائی میں بھی ہے چور ۔۔۔ کسی کو ہاتھ کا سچّا نہ پایا
گہُر کی آبرو ہے جوہری سے ۔۔۔ پڑا پایا تو مول اچھّا نہ پایا
خزاں ہی خوب تھی بہرِ نشیمن ۔۔۔ چمن میں ایک بھی تنکا نہ پایا
ہوئے جس دن سے تم رشکِ مسیحا ۔۔۔ زمانے میں کوئی اچھّا نہ پایا
سفارش ہم تری کرتے پر اے داغ ۔۔۔ کچھ اُن کا تجھ سے رُخ اچھا نہ پایا

عجب اپنا حال ہوتا جو وصالِ یار ہوتا ۔۔۔ کبھی جان صدقے ہوتی، کبھی دل نثار ہوتا

جو تمھاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمھیں منصفی سے کہہ دو، تمھیں اعتبار ہوتا؟

یہ مزا تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی
نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا

نہ مزہ ہے دشمنی میں، نہ ہے لطف دوستی میں
کوئی غیر غیر ہوتا، کوئی یار یار ہوتا

ترے وعدے پر ستم گر ابھی اور صبر کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

تمھیں ناز ہو نہ کیوں کر کہ لیا ہے داغؔ کا دل
یہ رقم نہ ہاتھ لگتی، نہ یہ اختیار ہوتا

جلوہ دیکھا تری رعنائی کا
کیا کلیجا ہے تماشائی کا!

یاد آتا ہے وہ رسوا کر کے
رنج کرنا مری رسوائی کا

اب تصوّر سے بھی گھبراتا ہوں
کیا مزہ ہے مجھے تنہائی کا

مُنہ سے بولے تو کہا آئینہ
کھیل کھیلے تو خود آرائی کا

اُن کی شہرت بھی مٹی جاتی ہے
کیا ٹھکانا مری رسوائی کا!

داغؔ کی قبر مٹا کر بولے
یہ نشاں تھا اسی سودائی کا

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
اُلٹی شکایتیں ہوئیں، احسان تو گیا

ڈرتا ہوں دیکھ کر دلِ بے آرزو کو میں
سنسان گھر یہ کیوں نہ ہو، مہمان تو گیا

دیکھا ہے بُت کدے میں جو اے شیخ، کچھ نہ پوچھ
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا

افشائے رازِ عشق میں گو ذلّتیں ہوئیں
لیکن اُسے جتا تو دیا، جان تو گیا

گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر
مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا

ہوش و حواس و تاب و تواں داغؔ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

مجھ سے مے کش کو کہاں صبر، کہاں کی توبہ
لے لیا دوڑ کے جب سامنے ساغر آیا

غیر نے آج کیا مہر و وفا کا دعوا
تمھیں انصاف سے کہہ دو تمھیں باور آیا؟

وصل میں ہاے وہ اِترا کے مرا بول اٹھنا
اے فلک، دیکھ تو یہ کون مرے گھر آیا!

داغ کے نام سے نفرت ہے، وہ جل جاتے ہیں
ذکر کم بخت کا آنے کو تو اکثر آیا

میرے قابو میں نہ پہروں دلِ ناشاد آیا
وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا

کوئی بھولا ہوا اندازِ ستم یاد آیا
کہ تبسّم تجھے ظالم دمِ بے داد آیا

بے ستوں سے یہی آواز چلی آتی ہے
جو کیا تو نے وہ آگے ترے فرہاد آیا

دی موذّن نے شبِ وصل اذاں پچھلی رات
ہاے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا

لیجیے سنیے اب افسانۂ فرقت مجھ سے
آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں
ہم کو وہ خانہ خراب آج بہت یاد آیا

ہو گیا پرتوِ رخسار سے کچھ اور ہی رنگ
میں نے منہ چوم لیا اُس کے تماشائی کا

کیا کہوں تیرے تغافل نے، حیا نے کیا کیا
اِس ادا نے کیا کیا اور اُس ادا نے کیا کیا

بوسہ لے کر جان ڈالی غیر کی تصویر میں
یہ اثر تیرے لبِ معجز نما نے کیا کیا

سنتے ہیں اے داغ ہم اُس بت سے بگڑا ہے رقیب
غیب سے سامان دیکھو تو خدا نے کیا کیا

رازِ دل کوئی کہے لاکھ میں کیوں کر اپنا
داورِ حشر، جُدا چاہیے محشر اپنا

ہم تو برباد ہوئے عشق میں اپنے ہاتھوں
کوئی بدخواہ نہیں اپنے سے بڑھ کر اپنا

دھوم ہے کوچۂ قاتل میں قیامت آئی
فیصلہ ہم بھی کیے لیتے ہیں چل کر اپنا

وہ زمانہ بھی تمھیں یاد ہے، تم کہتے تھے
دوست دنیا میں نہیں داغؔ سے بہتر اپنا

کیا کوئی زمانے میں ستم گر نہیں ہوتا
ہوتا ہے مگر تیرے برابر نہیں ہوتا

ہم جانتے ہیں آتے ہیں ماتم کو فرشتے
جس بزم میں شغلِ مے و ساغر نہیں ہوتا

محبّت میں یوں داغؔ عزت رہے گی
کہ تم دشمنِ ننگ و ناموس رہنا

انداز کچھ ملانے لگا جورِ یار کا
اب لطف دیکھنا ستمِ روزگار کا

توبہ جو میں نے کی، نکل آیا ذرا سا مُنہ
وہ رنگ روپ ہی نہیں صبحِ بہار کا

اُٹھنا ہی تیری بزم سے دشوار تھا مجھے
اس پر سنبھالنا دلِ بے اختیار کا

فرقت میں ہم نے اپنی تسلّی کے واسطے
رکھّا ہے نام شوخ، دلِ بے قرار کا

غش کھا کے داغؔ یار کے قدموں پہ گر پڑا
بے ہوش نے بھی کام کیا ہوشیار کا

یاں امتحانِ برقِ تجلّی ضرور تھا
کیا میں نہ تھا اِس آگ میں جلنے کو طور تھا؟

واعظ ترے لحاظ سے ہم سُن کے پی گئے
کیا ناگوار ذکرِ شرابِ طہور تھا

ہم بوسے لے کے اُن سے عجب چال کر گئے — یوں بخشوا لیا کہ یہ پہلا قصور تھا
کیوں تو نے چشمِ لطف سے دیکھا، غضب کیا — قربان اُس نگاہ کے جس میں غرور تھا
پاسِ ادب سے رہ گئی فریاد دیکھ اِدھر — میں کیا کہوں کہ عرشِ بریں کتنی دور تھا

قصدِ بت خانہ کیا ہے جو خدا پہنچا دے — جو کیا کام ہوا خیر سے اکثر پورا
ختم ہے شوخیِ الفاظ و تلاشِ مضموں — ہے تو یوں داغؔ سخنور ہے سخنور پورا

نفسِ سرد کی تاثیر شبِ غم دیکھو — شمع کو تا بہ سحر میں نے پگھلنے نہ دیا
شوق نے راہِ محبت میں ابھارا لیکن — ضعف نے ایک بھی گرتے کو سنبھلنے نہ دیا
عقل کہتی تھی نہ لکھ دفترِ مطلب اس کو — شوق نے ایک بھی مضمون بدلنے نہ دیا
کسی صورت نہ بچا عشق کی رسوائی سے — کہ مجھے نام بھی غیرت نے بدلنے نہ دیا

دم عشق میں گیا دلِ مجبور رہ گیا — صدمہ کسی سے اٹھ نہ سکا، کوئی سہہ گیا
شب کو جو گھر میں غیر کے وہ رشکِ مہ گیا — میں کیا بتاؤں کون مرے دل سے کہہ گیا
ہنگامِ ضبط سینے میں تو گردشیں رہیں — اچھا رہا وہ اشک جو آنکھوں سے بہہ گیا
جی جائے موت آئے جو کم بخت داغؔ کو — سچ تو یہ ہے کہ تم سے کوئی جھوٹ کہہ گیا

کھینچا غمِ فرقت کا دل تو نے عذاب ایسا
ہم تجھ کو نہ سمجھے تھے اے خانہ خراب ایسا!

نومیدِ کرم ہو کر ہم توبہ کریں مے سے
دوزخ میں پڑے زاہد، بے لطف ثواب ایسا

مرنے بھی نہیں دیتے، جینے بھی نہیں دیتے
احسانِ ترحّم وہ، اندازِ عتاب ایسا

جب خواب میں آتے ہو، مُنہ مجھ سے چھپاتے ہو
مشتاق سے شرم ایسی، عاشق سے حجاب ایسا

ہمیں زمانے میں بدنام تیری خو نے کیا
دلِ شریفتہ جو کچھ کیا سو تو نے کیا

جفاکشی کا مزہ مجھ کو ہاں اب آئے گا
کر آسمان کو اپنا شریک تو نے کیا

تو وعدہ کر کے مجھ سے مری جان پھر گیا
حق سے پھرا، جو قول سے انسان پھر گیا

لائے تھے کوے یار سے ہم داغؔ کو ابھی
لو اس کی موت آئی، وہ نادان پھر گیا

وہ رُسوائی سے ڈر جائے تو اچھا
بُرائی کام کر جائے تو اچھا

کہا ظالم نے میرا حال سُن کر
وہ اِس جینے سے مر جائے تو اچھا

غضب ہے انتظارِ وعدۂ حشر
نہیں کہہ کر مُکر جائے تو اچھا

مبارک خضر کو ہو عمرِ جاوید
یہ تھوڑی سی گزر جائے تو اچھا

مسیحائی ہُوا قاتل کا شیوہ
عدم تک یہ خبر جائے تو اچھا

رقیبوں کا تری محفل میں کیا کام
جہنّم اِن سے بھر جائے تو اچھا

نگاہِ یار دل کو لوٹتی ہے
یہ مہماں اپنے گھر جائے تو اچھا

وہ تکلیفِ عیادت کیوں کریں داغ	مری ان کو خبر جائے تو اچھا

زورِ قسمت سے چل نہیں سکتا	دل سنبھالے سنبھل نہیں سکتا
آسماں دوست ہوگیا تیرا	اب زمانہ بدل نہیں سکتا
رشکِ اغیار کیا گوارا ہو	زہر کوئی نگل نہیں سکتا
نام کو داغ ہوں، مگر ظالم	تو جلائے تو جل نہیں سکتا

عیش بھی اندوہ فزا ہوگیا	ہائے طبیعت تجھے کیا ہوگیا
دشمنِ اربابِ وفا ہوگیا	دوست بھلا ہوکے بُرا ہوگیا
یاد ہے کہنا وہ کسی وقت کا	ہوش میں آؤ تمھیں کیا ہوگیا
داغ وہ بہتر ہے جو مرہم بنا	درد وہ اچھا جو دوا ہوگیا
آپ سے اقرار کے سچے کہاں	وعدہ کیا اور وفا ہوگیا
یہ تو نہ تھی کوئی مکرنے کی بات	حرفِ خوشامد بھی گِلا ہوگیا
اے دلِ بےتاب خدا کی قسم	عشق میں جی تجھ سے بُرا ہوگیا
دم مرے سینے میں جو رکتا ہے آج	کون خدا جانے خفا ہوگیا
حال مرا دیکھ کے کہتے ہیں وہ	کون حسیں اس سے جدا ہوگیا
نالے نے تاثیر نہ کی روزِ حشر	وہ بھی شبِ غم کی دعا ہوگیا
سب مجھے دیوانہ بنانے لگے	لو وہ تمھارا ہی کہا ہوگیا!

داغ قیامت میں یہ مژدہ سنے
جا تجھے فردوس عطا ہوگیا

سُن سُن کے ترے عشق میں اغیار کے طعنے
میرا ہی کلیجا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بن آئی ہے. جو چاہیں کہیں حضرتِ واعظ
اندیشۂ عقبیٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ان کا یہی سننا ہے کہ وہ کچھ نہیں سنتے
میرا یہی کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

دیکھو تو ذرا چشمِ سخن گو کے اشارے
پھر تم کو یہ دعوا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

خط میں مجھے اوّل تو سنائی ہیں ہزاروں
آخر یہی لکھا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

خاموش کیا چھیڑ کے ظالم نے شبِ وصل
وہ تذکرہ چھیڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

یہ خوب سمجھ لیجیے غمّاز وہی ہے
جو آپ سے کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

دنیا مجھے کہتی ہے بُرا حاضر و غائب
سمجھو تو سبب کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مشتاق بہت ہیں مرے کہنے کے پر اے داغؔ
یہ وقت ہی ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

یادگارِ داغ

اِن آنکھوں نے کیا کیا تماشا نہ دیکھا
حقیقت میں جو دیکھنا تھا نہ دیکھا

تجھے دیکھ کر وہ دوئی اٹھ گئی ہے
کہ اپنا بھی ثانی نہ دیکھا، نہ دیکھا

اِن آنکھوں کے قربان جاؤں، جنھوں نے
ہزاروں حجابوں میں پردا نہ دیکھا

نہ ہمّت، نہ قسمت، نہ دل ہے نہ آنکھیں
نہ ڈھونڈا، نہ پایا، نہ سمجھا، نہ دیکھا

وہ کب دیکھ سکتا ہے اس کی تجلّی
جس انسان نے اپنا جلوا نہ دیکھا

بہت شور سنتے تھے اس انجمن کا
یہاں آکے جو کچھ سنا تھا، نہ دیکھا

اسے دیکھ کر اور کو پھر جو دیکھے
کوئی دیکھنے والا ایسا نہ دیکھا

گیا کارواں چھوڑ کر مجھ کو تنہا
ذرا میرے آنے کا رستا نہ دیکھا

تری یاد ہے یا ہے تیرا تصوّر
کبھی داغ کو ہم نے تنہا نہ دیکھا

وہ جلوہ تو ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
آنکھوں کو مگر دید کا لپکا نہیں جاتا

کیا خاک کروں ان سے تغافل کی شکایت
یہ حال ہی ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

آغوش میں لوں، پاؤں پڑوں، کھینچ لوں دامن
ہاتھ آئے جو تجھ سا اسے چھوڑا نہیں جاتا

یہ داغ مٹائے نہیں مٹتا، نہیں مٹتا
یہ دردِ محبت نہیں جاتا، نہیں جاتا

کہتا ہوں تو رکتی ہے زباں سامنے اس کے
لکھتا ہوں اگر حال تو لکھا نہیں جاتا

میں وضع کا پابند ہوں گو جان بھی جائے
جب کوئی بلانے نہیں آتا، نہیں جاتا

عاشق سے کسی بات میں قائل نہیں ہوتے
معشوقوں کا ہر حال میں دعوا نہیں جاتا

ہم جان سے جاتے ہیں محبت میں کسی کی
اپنا ہے ضرر، کچھ بھی کسی کا نہیں جاتا

وہ کہتے ہیں کیا جور اٹھاؤ گے تم اے داغ
تم سے تو مرا ناز اٹھایا نہیں جاتا

کیوں نہ کہوں غیرتِ جنت ہے ترا گھر
دنیا کا کوئی کام یہاں ہو نہیں سکتا

معشوق بدل جاتے ہیں قسمت کی طرح سے
کیا راحتِ جاں، آفتِ جاں ہو نہیں سکتا

اب لطفِ شبِ وصل کہاں اے دلِ ناداں
ہر روز وہ ساماں، وہ سماں ہو نہیں سکتا

افسانہ مرا تم نے سنا، میں نے سنایا
اک حرف رہا ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا

یا پُرسشِ بیداد ہو اے داورِ محشر
یا کہہ دے کہ انصاف یہاں ہو نہیں سکتا

یہ چھیڑ ہے کیا ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا
ہاں کہہ تو دیا آپ سے 'ہاں'! ہو نہیں سکتا

کچھ دیر نہیں لگتی ہے نیت کو بدلتے
کیا شیخِ حرم پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

دھوکا مجھے دیتی ہیں یہ بھولی تری باتیں — بیداد کا ایسے پہ گماں ہو نہیں سکتا
کہنے کے لیے آپ ہیں سننے کے لیے ہم — جو ہم نے سنا ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا
جب دل سے نکالوں تو یہی کہتی ہے حسرت — جہان سے خالی یہ مکاں ہو نہیں سکتا
جو دل میں تمھارے ہے وہی ہے مرے دل میں — میں کہہ دوں اگر تم سے بیاں ہو نہیں سکتا
اے داغؔ تمھیں وصل کی تدبیر بتادی — تقدیر کا ذمّہ تو یہاں ہو نہیں سکتا

صیاد کو گر رحم بھی آیا تو کروں کیا — یہ شوقِ اسیری تو رہائی نہیں دیتا
کیا غیر چھپائے گا ترا رازِ محبّت — اوچھے کو خدا اتنی سمائی نہیں دیتا

میں نہ کہتا تھا کہ دل لے لو مرا — عاقبت وہ خون ہو کر بہ گیا
اس قدر گردش میں تھا میرا غبار — ساتھ پھر کر آسماں رہ رہ گیا

کی گفتگوئے یار بڑی آب و تاب سے — قاصد تو بات بات میں موتی پرو گیا
اس انجمن کی سیر سے بھرتا ہے دل کہیں — حسرت نصیب وہ ہے یہاں آکے جو گیا
آتا تھا کوئی نشّۂ صہبا میں ڈوب کر — ملتے ہی آنکھ رنگ میں اپنے ڈبو گیا
کن حسرتوں کا کشتہ ہوں اللہ رے بے کسی — آکر مرے جنازے پہ دشمن بھی رو گیا
اے داغؔ! عشق آفتِ جاں ہے ذرا سنبھل — دو دن میں کیا سے کیا یہ ترا حال ہو گیا

تدبیر اگر لاکھ کرے عقدہ کشائی
تقدیر کا عقدہ کبھی کھولا نہیں جاتا

ہوا اثر اتنا تو سوزِ نالہ و فریاد کا
ہم تماشا دیکھ لیں گھر پھونک کر صیّاد کا

تم کو میری جان کی، ایمان کی اپنے قسم
حوصلہ باقی نہ رہ جائے کسی بے داد کا

بے بلائے جا کے اس محفل میں یہ پوچھینگے ہم
وہ کہاں ہے بھولنے والا ہماری یاد کا

پرورش اتنے اسیروں کی کوئی آسان ہے
ایک دن جی چھوٹ جائے گا مرے صیّاد کا

جب کبھی ناصح نے بات اگلے ہی وقتوں کی کہی
آدمی دیکھا نہیں اِس عمر میں اس یاد کا

وعدہ جھوٹا کر لیا، چلیے تسلّی ہو گئی
ہے ذرا سی بات خوش کرنا دلِ ناشاد کا

یہ طور دل چرا کے ہوا اُس نگاہ کا
جیسے قسم کے وقت ہو جھوٹے گواہ کا

کیا کر سکے کوئی ستم و لطف کی تمیز
بجلی کا کوندنا ہے وہ پھرنا نگاہ کا

دو دن ہی میں مزاج تمھارا بدل گیا
کیوں جی! یہی قرار ہوا تھا نباہ کا

وہ تم کہ بھاگتے تھے لڑائی کے نام سے
کس طرح آگیا یہ لڑانا نگاہ کا

آتا ہے اب تو ضعف میں آنسو بھی اس طرح
جیسے مسافر آئے تھکا ماندہ راہ کا

اے داغؔ داغِ عشق کی تعریف کیا لکھوں
یہ آفتاب ہے مرے روزِ سیاہ کا

ہمارا دل ہے جیسا ناصبور، ایسا نہیں ہوتا
کوئی نزدیک ایسا ہو کے دور ایسا نہیں ہوتا

جھکی پڑتی ہیں آنکھیں، رات بھر جاگے ہو تم بیشک
جوانی کے تو نشّے کا سرور ایسا نہیں ہوتا

پری ہو، حور ہو، یوسف ہو، آخر کیا کہیں تم کو
کسی کو حُسن پر اپنے غرور ایسا نہیں ہوتا

تجلّی جلوہ گر لاکھوں حجابوں میں بھی ہوتی ہے
چھپائے سے چھپے رنگِ ظہور، ایسا نہیں ہوتا
وہ مستِ ناز پھر جوشِ شباب اس کا کوئی دیکھے
کرے کش نشّۂ صہبا میں چور ایسا نہیں ہوتا
جمالِ یار کے دیکھے سے جو ہوتی ہے کیفیت
کبھی دل کو سُرور، آنکھوں کو نور ایسا نہیں ہوتا
تری آنکھیں ہیں مستِ ناز ورنہ نشۂ مے کا
خُمار ایسا نہیں ہوتا، سُرور ایسا نہیں ہوتا
وہ دل میں داغ سے جلتے بھی ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں
کوئی انسان پیدا دور دور ایسا نہیں ہوتا

عُذر ان کی زبان سے نکلا — تیر گویا کمان سے نکلا
خارِ حسرت بیان سے نکلا — دل کا کانٹا زبان سے نکلا
آ گیا غش نگاہ دیکھتے ہی — مدّعا کب زبان سے نکلا
کھا گئے تھے وفا کا دھوکا ہم — جھوٹ سچ امتحان سے نکلا
دل میں رہنے نہ دوں ترا شکوہ — دل میں آیا، زبان سے نکلا
تم برستے رہے سرِ محفل — کچھ بھی میری زبان سے نکلا
سچ تو یہ ہے معاملہ دل کا — باہر اپنے گمان سے نکلا
سمجھو پتھر کی تم لکیر اُسے — جو ہماری زبان سے نکلا!
وہ ہلے لب تمھارے وعدے پر — وہ تمھاری زبان سے نکلا
ذکر اہلِ وفا کا جب آیا
داغ ان کی زبان سے نکلا

حور کے نام سے ہے رشک تمھیں
ہم نے جنت ہی کو سلام کیا

پھر وہی ذکرِ غیر ہوتا ہے
پھر وہی آپ نے کلام کیا

دل پریشان ہو کے نکلا تھا
کیا خبر کس جگہ قیام کیا

رات دن تیری پردہ داری نے
تجھ کو رسوائے خاص و عام کیا

مسکراہٹ لبوں کی کہتی ہے
غیر سے آپ نے کلام کیا

آنے پاتا نہیں کوئی عاشق
خوب محفل کا انتظام کیا

آتا نہیں زبان پہ حرفِ سوال کیا
اتنی سی بات کا تمھیں اتنا ملال کیا

سکتہ نہ جس کو دیکھ کے ہو وہ جمال کیا
آئینے کو تو دیکھیے، ہے اس کا حال کیا

بعدِ فنا بھی چین مجھے دوگے یا نہیں
تم نے بنا لیا مرے ماتم میں حال کیا

یہ کیا کہا کہ تجھ کو تو ناحق کا رشک ہے
میرے رقیب کر گئے سب انتقال کیا

پتھر کے بت کو لاکھ بنائے کوئی حسیں
جب جان ہی نہیں تو وہ حسن و جمال کیا

کہنے لگے وہ داغ کی وحشت کو دیکھ کر
دیکھے تو کوئی اس نے بنایا ہے حال کیا

اشارہ اس نگہ کا روح افزا ہو نہیں سکتا
کہ جادوگر سے اعجازِ مسیحا ہو نہیں سکتا

شکایت دوست کر سکتے ہیں تیری کر نہیں سکتے
کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے، ایسا ہو نہیں سکتا

الٰہی کیا قیامت میں بنے گی دادخواہوں پر
وہ فرماتے ہیں کیا دعوے پہ دعوا ہو نہیں سکتا

بگڑ جاتی ہے عادت، بے وفائی آ ہی جاتی ہے
تمھارا ہو کے پھر یہ دل ہمارا ہو نہیں سکتا

ہمیں بھی نامہ بر کے ساتھ جانا تھا، بہت چوکے
نہ سمجھے ہم کہ ایسا کام تنہا ہو نہیں سکتا

لیا تھا دیکھنے کو دل انھوں نے اب نہیں دیتے
مرا یہ حال ہے مجھ سے تقاضا ہو نہیں سکتا

سوالِ وصل پر اے داغ دل کی رہ گئی دل میں
کہا منہ پھیر کر ظالم نے ایسا ہو نہیں سکتا

ہوئے ہیں عشق میں عشاق رسوا چار سو کیا کیا
مٹی ہے آبرو والوں کی اس میں آبرو کیا کیا

در اندازوں کے کہنے پر نہ جاؤ تم، وہ کہتے ہیں
ہمارے روبرو کیا کیا، تمھارے روبرو کیا کیا

کوئی جانے تو کیا جانے کہ یہ ہیں راز کی باتیں
رہی ہے دل ہی دل میں میری ان کی گفتگو کیا کیا

تمھارا دل مرے دل کے برابر ہو نہیں سکتا
وہ شیشہ ہو نہیں سکتا، یہ پتھر ہو نہیں سکتا

وہ کیا کیا کوستے ہیں بیٹھ کر اپنی نزاکت کو
بپا رفتار سے ان کی جو محشر ہو نہیں سکتا

گرچہ وہ جھوٹی تسلی دے گئے مجھ کو جینے کا سہارا ہو گیا

دل میرا اپنا جب تو محبت تری آئی آنکھیں ہوئیں پیدا تو مجھے تو نظر آیا

یہ جلسے جیتے جی کے ہیں، اگر دم ہے تو سب کچھ ہے
کہ بہتر زندگی سے کوئی میلا ہو نہیں سکتا

آفتابِ داغ

(ب)

میرے ہی دم سے مہر و وفا کا نشاں ہے اب
تجھ سا اگر نہیں ہے تو مجھ سا کہاں ہے اب
اک اک گھڑی ہے وعدے کی اک اک برس مجھے
تم دو گھڑی کہو، مرے وردِ زباں ہے اب
کیا مر گیا ہوں، دیکھ تو اے چارہ گر مجھے
ان کی زباں سے میری وفا کا بیاں ہے اب
دیکھو ذرا سی شرم نے سب کچھ مٹا دیا
وہ آنکھ، وہ نگاہ، وہ چتون کہاں ہے اب
کیا لطفِ دوستی کہ نہیں لطفِ دشمنی
دشمن کو بھی جو دیکھیے پورا کہاں ہے اب

لایا ہے مجھ کو بختِ رسا بزمِ عیش میں
مجھ سے ڈرو کہ دوست مرا آسماں ہے اب

تم کو یقیں نہیں تو نہ ہو، اس کا کیا علاج
کم بخت داغ تم سے بہت بدگماں ہے اب

ماہتابِ داغ

پھر کہاں جائیں گے جنت میں اگر جی نہ لگا
ہے طبیعت بہت آزاد ہماری یارب

اُن کے آنے سے اجل پیشتر آئی، افسوس
کیا بُرے وقت ہوئی یاد ہماری یارب

ہو دمِ قتل وہ تصویر کا عالم ہم پر
شکل دیکھا کرے جلّاد ہماری یارب

دلِ ناکام کے ہیں کام خراب
کر لیا عاشقی میں نام خراب

اِس خرابات کا یہی ہے مزا
کہ رہے آدمی مدام خراب

کیا ملا ہم کو زندگی کے سوا
وہ بھی دشوار، ناتمام، خراب

گلزارِ داغ

نامہ بر کہتا ہے اب لاتا ہوں دلبر کا جواب
سُن چکا ہوں چار دن آگے مقدّر کا جواب

شیخ ہو حق کر رہا ہے رات دن مستوں کے ساتھ
آج کل ہے مے کدہ اللہ کے گھر کا جواب

غیر کی تعریف لکھی سارے خط میں اور مجھے
یہ بھی لکھتے ہیں کہ لکھو میرے دفتر کا جواب

لوگ کہتے ہیں بنا دِلّی بگڑ کر لکھنؤ
پر کہاں اے داغؔ اُس اجڑے ہوئے گھر کا جواب

کیوں کہا تھا کسی سے کیا مطلب
اِسی کہنے سے کھُل گیا مطلب

بات پوری نہیں کہی میں نے
کہ وہ طرّار لے اُڑا مطلب

خون ہونے کو، خاک ہونے کو
یا مرا دل ہے یا مرا مطلب

مٹ گئے ایک ہی تغافل میں
شوق، ارمان، مدّعا، مطلب

غیر کا خط بھی چاک کر ڈالا
مل گیا تھا جو کچھ مرا مطلب

مرگیا مژدۂ وصال سے میں
یوں بھی نکلا رقیب کا مطلب

دل میں گھُٹ گھُٹ کے رہ گئی حسرت
لب پہ آ آ کے رہ گیا مطلب

ہم مٹ گئے تو پُرسشِ نام و نشاں ہے اب
اِس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب

میں کیا کروں بلا سے جو تو مہرباں ہے اب
وہ دل کہاں ہے اب، وہ طبیعت کہاں ہے اب

ہرگز نہ تھا زمانۂ سابق میں یہ فلک
جس آسماں کی دھوم تھی، وہ آسماں ہے اب

تم پارسا سہی مگر اتنا تو سوچ لو
کچھ دیکھ ہی لیا ہے جو دل بدگماں ہے اب

دو ظالموں میں لاگ ہوئی میرے واسطے
نامہرباں وہ ہے تو فلک مہرباں ہے اب

ملنے کے بعد رنج اٹھائے ہیں اس قدر
شکرِ وصال بھی مرے لب پر فغاں ہے اب

کیا کیا ملائے خاک میں انسان چاند سے
سچ پوچھیے اگر تو زمیں، آسماں ہے اب
مدت ہوئی کہ داغ کو سنتے تھے سوے دیر
کیا جانے وہ خدائی کا مارا کہاں ہے اب

یادگارِ داغ

بے اثر ٹھہریں دعائیں سب کی سب
عمر بھر کی وہ وفائیں، سب کی سب
رہ نہ جائے ہجر میں کوئی بلا
کس نے رد کا ان کو، آئیں سب کی سب
داغ کو ہے اس کی رحمت سے امید
بخش دے گا وہ خطائیں سب کی سب

اس بحر میں ہوں جس میں نہیں آشنا نصیب
اس دشت میں ہوں جس میں نہیں رہ نما نصیب
قسمت سے غیر کی مری تقدیر کیا ملے
اس کا جدا نصیب ہے میرا جدا نصیب

آفتابِ داغ

(پ)

ہم نشیں بھی تو نہیں، ہجر میں دل کیا بہلے
باتیں کر لیتے ہیں دو چار گھڑی آپ ہی آپ

گلزارِ داغ

مہرباں ہو کے جب ملیں گے آپ
جو نہ ملتے تھے سب ملیں گے آپ

بن کے تیغِ غضب ملیں گے آپ
یوں گلے مجھ سے کب ملیں گے آپ

غیر سے ہو گئے پیام و سلام
ہیں یہ ملنے کے ڈھب، ملیں گے آپ!

دمِ رخصت یہ چھیڑ تو دیکھو
مجھ سے کہتے ہیں کب ملیں گے آپ

آپ کیوں خاک میں ملاتے ہیں
ہم مصیبت طلب ملیں گے آپ

تیغ تیری کھنچی رہے قاتل
بسملِ جاں بلب ملیں گے آپ

کارواں کی تلاش کیا اے دل
آگے منزل پہ سب ملیں گے آپ

داغ اک آدمی ہے گرما گرم
خوش بہت ہوں گے جب ملیں گے آپ

حضرتِ زاہد، ہر اک لقمے کو عادت شرط ہے
مر نہ جائیں گے شرابِ چشمۂ کوثر سے آپ

جب ہمیں مرنا ہی ٹھہرا، حاجتِ قاتل نہیں
کاٹ لیں گے ہم گلا اپنا کسی خنجر سے آپ

کیوں جنابِ داغ یاد اللہ میری یاد ہے
بھیس بدلے رات کو آئے تھے کس کے گھر سے آپ؟

آفتابِ داغ

(ت)

عالمِ یاس میں گھبرائے نہ انسان بہت
دل سلامت ہے تو حسرت بہت، ارمان بہت

قتل ہونے نہ دیا شکرِ جفانے مجھ کو
کام آتے ہیں بُرے وقت میں اوسان بہت

تم کہ بیداد کرو اور نہ شرماؤ ذرا
ہم کہ ناکردہ گنہ اور پشیمان بہت

حسرتیں روز نئی دل میں بھری جاتی ہیں
تھوڑے تھوڑے بھی ہوئے جاتے ہیں مہمان بہت

سوچیے دل میں تو ہے عشق نہایت دشوار
نہ سمجھیے تو یہی کام ہے آسان بہت

وعدہ کرتے ہی پلٹ جاؤ، ہم اس سے خوش ہیں
دلِ غمگیں کو خوشی کی تو ہے اک آن بہت

بزمِ احباب میں اے داغؔ کبھی تو ہنس بول
دیکھتے ہیں تجھے ہر وقت پریشان بہت

ماہتابِ داغ

بزمِ دشمن میں نہ کِھلنا گُلِ تر کی صورت | جاؤ بجلی کی طرح، آؤ نظر کی صورت
سوچ لے پہلے ہی تو نفع و ضرر کی صورت | نامہ بر تجھ کو بُھلا دیں گے وہ گھر کی صورت

اُس کو دیکھے کوئی محفل میں، یہ کس کی طاقت !
ہر بشر دیکھنے لگتا ہے بشر کی صورت

اے جنوں ! خاک بیاباں کو بیاباں سمجھوں
میری آنکھوں میں ابھی پھرتی ہے گھر کی صورت

ہات آنکھوں پہ شبِ وصل عبث رکھتے ہو
میری صورت نہ سہی، دیکھو سحر کی صورت

آپ نے کی ہیں عبث شرم سے نیچی آنکھیں
چبھ گئی یہ بھی ادا دل میں نظر کی صورت

درو دیوار کا جلوہ نہیں دیکھا جاتا
اُن کے آتے ہی بدل جاتی ہے گھر کی صورت

لیے جاتا ہے ہمیں جوشِ جنوں صحرا کو
دیکھتے جاتے ہیں منہ پھیر کے گھر کی صورت

وہ عدو کے ساتھ آتے ہیں عیادت کو مری
اک نظر ہے سوے دشمن، اک نظر ہے سوے دوست

غیر کے نقشِ قدم اے داغ ! رہبر ہو گئے
مٹنے والوں نے بتایا ہے نشانِ کوے دوست

نہیں سنتے وہ اب ہماری بات
سچ ہے بن آئے کی ہے ساری بات

دو دو باتیں ہوئی تھیں واعظ سے
رکھ لی اللہ نے ہماری بات

خیر سے اس نے ہی نہ پوچھا حال
کرنے دیتی نہ بے قراری بات

گلزارِ داغ

تھوڑے سے دن بہار کے ہیں، کس امید پر
کرتے ہیں اپنا مرغِ چمن آشیاں درست

ہے طرفہ تماشا سرِ بازارِ محبت
سر بیچتے پھرتے ہیں خریدارِ محبت

اِس واسطے دیتے ہیں وہ ہر روز نیا داغ — اک درد کے خوگر نہ ہوں بیمارِ محبت
کچھ تذکرۂ عشق رہے حضرتِ ناصح — کانوں کو مزہ دیتی ہے گفتارِ محبت
واعظ کی زباں پر تو وہ کلمے ہیں کہ گویا — بخشے ہی نہ جائیں گے گنہ گارِ محبت

نہ میں بات کرتا اگر جانتا — کہ یوں بات کرنے میں جائے گی رات
نہ نکلے گا دل کوچۂ زلف سے — مسافر کو رستہ بھلائے گی رات
غنیمت ہے تاریکیِ شامِ غم — نہ دیکھوں گا میں جو دکھائے گی رات

شعلہ رو سیکڑوں نظر آئے — ہیں زمیں پر بھی آفتاب بہت
آئی کس کی نگاہ میں شوخی — ہے زمانے کو اضطراب بہت
آئے جنّت سے پھر نہ دنیا میں — بے مزہ ہو گیا ثواب بہت
شام ہونے تو دو چلے جانا — ہے ابھی تیز آفتاب بہت
کچھ سمجھ کر وہ ہو رہے خاموش — تھے مرے بات کے جواب بہت

یادگارِ داغ

بات بڑھ جائے گی جو چپ نہ رہوں — خیر سچّی سہی تمھاری بات
باوفا کہہ کے بے وفا نہ کہو — کیوں بدلتے ہو ایسی پیاری بات
بات پر بات یاد پھر آئی — کہہ چکا تھا اگرچہ ساری بات

ماہتابِ داغ

تم کیا کسی کے دل میں بھلا گھر بناؤ گے
بنتا نہیں بنائے سے بگڑا ہوا مزاج

نا اتفاقیاں تھیں پیام و سلام تک
جب مل گئی نظر سے نظر، مل گیا مزاج

دن رات کا ہے فرق تمھارے مزاج میں
دن کو جدا مزاج تو شب کو جدا مزاج

کل ان کا سامنا جو ہوا خیر ہو گئی
بدلی ہوئی نگاہ تھی، بدلا ہوا مزاج

سچ ہے خدا کی دین میں کیا دخل ہو سکے
اک داغ کا مزاج ہے اک آپ کا مزاج

جائے آسودگی کہاں ہے آج
جو زمیں کل تھی آسماں ہے آج

میں بھی جاتا ہوں ساتھ غیروں کے
دوست دشمن کا امتحاں ہے آج

گلزارِ داغ

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یہ برقِ بلا دیکھیے گرتی ہے کدھر آج

انجامِ محبت پہ کریں خاک نظر آج
انسان ہے مجبور، نہیں کل کی خبر آج

مہمان ہے وہ غیرتِ خورشید و قمر آج
دن آج ہے، رات آج ہے، شام آج، سحر آج

کل تابِ فغاں تھی تو یہ تاثیر کہاں تھی
کیا کیا لبِ خاموش پہ قرباں ہے اثر آج

روکا ہی کیا رشک، بٹھا تا ہی رہا ضعف
بیتابیٔ دل لے ہی گئی غیر کے گھر آج

وعدے پہ مرے ان کے قیامت کی ہے تکرار
اور بات ہے اتنی کہ اُدھر کل ہے اِدھر آج

یہ شوق، یہ ارمان، یہ حسرت، یہ تمنّا
کیا ہو مرے قابو میں تم آجاؤ اگر آج

ناصح نے میرا حال جو مجھ سے بیاں کیا
آنسو نکل پڑے مرے بے اختیار آج

اے داغؔ دھن بندھی ہے تجھے کوئے یار کی
کم بخت موت ہے ترے سر پر سوار آج

ماہتابِ داغؔ

قاصد کے کچھ کلام غلط ہیں تو کچھ صحیح
ہم کو الگ الگ نظر آتے ہیں جھوٹ سچ

یہ جانتے ہیں جان تو جائے گی ایک دن
ناصح کے ڈر سے خیر مناتے ہیں جھوٹ سچ

وعدہ وفا کریں نہ کریں، آئیں یا نہ آئیں
گھبرا کے کچھ وہ بول تو جاتے ہیں جھوٹ سچ

ماہتابِ داغ

(ح)

دل کو صلاح کار بنا کر ہوئے خراب
دشمن وہی ہے دے جو بُری بات کی صلاح

کہتے ہیں جب وہ مجھ سے تجھے ہم کریں گے قتل
کہتا ہوں ہاتھ باندھ کے، جو آپ کی صلاح

مشتاقِ تیغِ ناز ہوں، لوں کس سے مشورہ
دے گا نہ کوئی موت کی تا زندگی صلاح

ماہتابِ داغ

سیکھی شبِ فراق یہ کس کا غرور صبح
کیا کھینچتی ہے آپ کو رہ رہ کے دور صبح

پھیکی ہے اب بھی روشنیِ داغِ ہجر سے
گو شمع میں ملاتی ہے اپنا بھی نور صبح

اُن سے شبِ وصال جو ذکرِ سحر کیا
بولے خدا نخواستہ ہو اب سے دور صبح

بے صبریوں سے داغ شبِ غم میں فائدہ
کم بخت تیرے نالوں سے ہوگی ضرور صبح

گلزارِ داغ

پکارتی ہے خموشی مری فغاں کی طرح
نگاہیں کہتی ہیں سب رازِ دل زباں کی طرح

چھڑا دے قید سے اے قید، ہم اسیروں کو
لگا دے آگ قفس کو بھی آشیاں کی طرح

جلا کے داغِ محبّت نے دل کو خاک کیا
بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح

حیا نے روک لیا، جذبِ دل نے کھینچ لیا
چلے وہ تیر کی صورت، کھنچے کماں کی طرح

سُنے جو حضرتِ واعظ سے وصف جنّت کے
تو صاف پھر گئی آنکھوں میں اُس مکاں کی طرح

جُھکی ہی جاتی ہے کچھ خود بخود حیا سے وہ آنکھ
گری ہی پڑتی ہے بیمارِ ناتواں کی طرح

ادائے مطلبِ دل ہم سے سیکھ جائے کوئی
انھیں سُنا ہی دیا حال، داستاں کی طرح

مجھے یہ حکم ہے، زنہار تم نہ کرنا عشق
نصیحتیں بھی وہ کرتے ہیں امتحاں کی طرح

خدا قبول کرے داغؔ تم جو سوے عدم
چلے ہو عشقِ بتاں لے کے ارمغاں کی طرح

دل نہ رہا سینے میں دم کی طرح — ٹوٹ گیا تیری قسم کی طرح
کوچۂ دشمن کو وہ جنّت کہیں — مٹ نہ گیا باغِ ارم کی طرح
غیر کے آگے وہ مرے حال پر — لطف بھی کرتے ہیں ستم کی طرح

ماہتابِ داغ

نرگسی چشم ہے بلا کی شوخ
شوخ بھی اور انتہا کی شوخ

ہاتھ رکھ میری چشمِ پُر خوں پر
ہوگی رنگت رسوا حنا کی شوخ

آئی اس برق وش کے کوچے سے
آج رفتار ہے صبا کی شوخ

کیا ٹھکانا تری طبیعت کا
ابتدا میں ہے انتہا کی شوخ

گلزارِ داغ

نگاہِ مست کچھ یوں کہہ رہی ہے
کہ جیسے ہو کوئی مے خوار گستاخ

الٰہی حضرتِ ناصح کی ہو خیر
وہ بُت ہے بے ادب، اغیار گستاخ

آفتابِ داغ

(د)

ملی ہم کو جنّت قیامت کے بعد
ملے کیا خدا جانے جنّت کے بعد

نہ ہو مہرباں ہو کے نا مہرباں
عداوت بُری ہے محبّت کے بعد

لڑیں گے وہ حوروں سے فردوس میں
یہ فتنہ اٹھے گا قیامت کے بعد

ہوا مانعِ سیر حسن و جمال
نہ دیکھیں گے کچھ اچھی صورت کے بعد

نہیں اِس کے خوگر، ہم اے آسماں! نہ دے ہم کو تکلیف راحت کے بعد
اسی کا مزا ہو تو کیا کیجیے کہا مانتے ہیں وہ حجت کے بعد

ماہتابِ داغ

اے وعدہ فراموش ! رہی تجھ کو جفا یاد
یہ بھول بھی کیا بھول ہے، یہ یاد بھی کیا یاد

افسانۂ غم سُن کے کہا طعن سے اُس نے
کیا ہوش ہے، کیا ذہن ہے، کیا حافظہ، کیا یاد!

بھولا نہیں مَیں قطعِ تعلّق میں غم و عیش
اِس کا بھی مزا یاد ہے، اُس کا بھی مزا یاد

تم خواہ عداوت اِسے سمجھو کہ محبت
رہتی ہے رقیبوں کی مجھے تم سے سِوا یاد

دل دیتے ہیں لو مفت ہی، کیا یاد کرو گے
احسان جو مانوگے تو آئے گی وفا یاد

بندے سے ہے کیوں پرسشِ اعمال الٰہی !
انسان کو رہتی ہے کہاں اپنی خطا یاد

مرتا ہوں مگر خیر مناتا نہیں اپنی
کرتا ہوں اُسی کے لیے جو جو ہے دُعا یاد

معشوق سے اے داغؔ تغافل کا گلہ کیا
کیوں یاد کرے تجھ کو، کرے اس کی بلا یاد

گلزارِ داغ

ہمدرد کون سا ہے پھر اُس آشنا کے بعد
ہم جی کے کیا کریں گے دلِ مبتلا کے بعد
حسرت سے تک رہا ہوں جو تجھ کو، سبب یہ ہے
خاک اڑتے دیکھتا ہوں میں اپنی وفا کے بعد
کہتے ہیں وہ شکایتِ بیداد و ظلم پر
عاشق وہ ہے جو چاہے کسی کو جفا کے بعد

اک حرفِ محبت پہ بگڑتے ہیں وہ سَو بار
اب دفترِ افسانۂ الفت ہی ہوا بند
کہتے تھے ہم اے داغ وہ کوچہ ہے خطرناک
چھپ چھپ کے مگر آپ کا جانا نہ ہوا بند

خاموش سنتی رہتی ہے پہروں شبِ فراق
تصویرِ یار کو ہے مری گفتگو پسند
حسرت کا یہ مزہ ہے کہ دل میں خلش رہے
نکلی ہوئی ہمیں تو نہیں آرزو پسند
پہروں پڑھی ہے حضرتِ داؤد پر درود
جب آگیا ہے داغ کوئی خوش گلو پسند

افسانۂ کلیم و تجلّی بہت سُنا
وہ آنکھ، آنکھ ہے جسے آجائے تو پسند
اے عرضِ مدعا تری تاثیر دیکھ لی
قاصد کو بھی نہ آئی مری گفتگو پسند
محشر میں خلق اپنی مصیبت میں مبتلا
یاں یہ تلاش آئے کوئی خوب رو پسند
اے داغ ہچکچاتے ہو ذلت سے عشق کی
دنیا میں ہو تمھیں تو بڑے آبرو پسند

آفتابِ داغ

(۱)

سانس بے تاب، قدم تیز، پریشان نظر آئے ہو کیا طرفِ گورِ غریباں ہو کر
خیر بہتر ہے تغافل ہی سہی، سن لینا جان پر کھیل گیا کوئی پریشاں ہو کر
مصلحت سے نہ کیا جور تو کیا ہوتا ہے آدمی توبہ کرے دل سے پشیماں ہو کر
پاس رہنے کی محبت بھی تو ہو جاتی ہے کیوں کہیں جائے ہماری شبِ ہجراں ہو کر

جو بل ہے تری زلفِ گرہ گیر سے باہر
وہ پیچ نہیں ہے مری تقدیر سے باہر

غیر بھی میری طرح کرتے ہیں آہیں کیوں کر میں بھی دیکھوں تو پلٹتی ہیں نگاہیں کیوں کر
نہ دلاسا، نہ تسلی، نہ تشفی، نہ وفا دوستی اُس بتِ بدخو سے نباہیں کیوں کر
چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو وہ طریقہ تو بتا دو تمھیں چاہیں کیوں کر

ماہتابِ داغ

اس نگاہِ امتحاں کو دیکھنا
ہے کبھی مجھ پر، کبھی شمشیر پر
داغ سچ ہے جو خدا چاہے کرے
آدمی کا بس نہیں تقدیر پر

عذر کیوں کرتے ہو، اس سے فائدہ؟
مٹ چکے ہم لذتِ دشنام پر
صورت و سیرت رہی بالائے طاق
دل تو آجاتا ہے اچھے نام پر
جلنے لگتی ہے زباں کہتے ہی داغ
اُف نکل جاتی ہے میرے نام پر

خلوت میں جب کسی کو نہ پایا اِدھر اُدھر
گھبرا کے دیکھتے تھے وہ کیا کیا اِدھر اُدھر
تقدیر ہی میں دامنِ یوسف کی چاک تھا
پڑتا وگرنہ دستِ زلیخا اِدھر اُدھر
محشر میں بعدِ پرسشِ اعمال دیکھنا
ہم دیکھتے پھریں گے تماشا اِدھر اُدھر
کیا کیا شبِ وصال سوال و جواب میں
رہتا ہے ہار جیت کا نقشا اِدھر اُدھر
اُس فتنہ گر سے پھر بھی تو پالا پڑے گا داغ
ہے تاک جھانک آپ کی بے جا اِدھر اُدھر

کچھ رہ گیا ہے قصّۂ غم وہ سنا تو دوں
کاش اُن کو نیند اور نہ آئے ذرا سی دیر
رکھتے ہی دل پہ دستِ حنائی اٹھا نہ تو
وہ آگ خاک ہے کہ جلائے ذرا سی دیر
پھرتا ہے میرے دل میں کوئی حرفِ مدّعا
قاصد سے کہہ دو اور نہ جائے ذرا سی دیر

ہوتی ہیں اتنی بات کی برسوں شکایتیں
کوئی اگر کسی کو ستائے ذرا سی دیر

سب خاک ہی میں مجھ کو ملانے کو آئے تھے
ٹھیرے رہے نہ اپنے پرائے ذرا سی دیر

تم نے تمام عمر جلایا ہے داغؔ کو
کیا لطف ہو جو وہ بھی جلائے ذرا سی دیر

دُنیا ہی میں ملتے ہیں اُسے دوزخ و جنّت
انسان ذرا سیر کرے گھر سے نکل کر

پہچان لیا سب نے یہ آتے ہیں وہیں سے
ہم چھُپ نہ سکے محفلِ دلبر سے نکل کر

ہے آتشِ حسن اُس بتِ کافر کی جہاں سوز
یہ آگ غضب پھیلی ہے پتھّر سے نکل کر

دِلّی سے چلو داغؔ کرو سیر دکن کی
گوہر کی ہوئی قدر سمندر سے نکل کر

اس کو مٹائے دیتی ہے بیداد آپ کی
اب کیجیے کرم، ستمِ روزگار پر

پیغام بر رقیب بنے، یہ خبر نہ تھی
دنیا کے کام ہوتے ہیں سب اعتبار پر

حسرت بھی اس میں بند، تمنّا بھی اس میں بند
مہریں لگی ہوئی ہیں دلِ داغ دار پر

پیری میں دل ہے یادِ جوانی سے داغ داغ
آئی ہوئی ہے اپنی خزاں بھی بہار پر

آگیا حضرتِ ناصح سے مرا ناک میں دم
روز آتے ہیں نئی طرح کا جھگڑا لے کر

رکھ دیا ہاتھ مرے مُنہ پہ بتِ کافر نے
صبح اُٹھنے نہ دیا نام خدا کا لے کر

آنکھ کا ہے یہ اشارا کہ نہ چھوڑیں دل کو
مُنہ سے کہتے ہیں، کرے کوئی اسے کیا لے کر

خط کے لے جانے سے ایمان نہیں جانے کا
کوئی جاتا ہی نہیں بندہ خدا کا لے کر

اپنی آنکھوں سے تو دیکھی نہیں دل کی چوری
کیوں گنہ گار ہوں میں نام کسی کا لے کر

منحصر قدر ہے رحمت کی گنہ گاروں پر مال کا مول ہے موقوف خریداروں پر
داغ کا عشق بھی دنیا سے نرالا دیکھا دل جب آتا ہے تو آتا ہے دل آزاروں پر

مزے لوں درد کے میں تھوڑے ظلم سہ سہ کر
ستم کیجے تو تھم تھم کر، جفا کیجے تو رہ رہ کر
یہ جانا تھا نہ آئیں گے، تو کیوں جانے دیا ان کو
یہی اے داغ! پچھتاوا مجھے آتا ہے رہ رہ کر

دل لگانا تھا زمانے کی ہوا کو دیکھ کر
آشنا کو دیکھ کر، ناآشنا کو دیکھ کر
کوچۂ دشمن سے یہ آتی نہ ہو یارب کہیں
جی اُڑا جاتا ہے کچھ بادِ صبا کو دیکھ کر
گردشِ گردوں کا باعث اور کچھ کھلتا نہیں
بھاگتا پھرتا ہے یہ تیری جفا کو دیکھ کر
خوب تھی تنہا طریقِ عشق میں آوارگی
یا تو بھولے ہیں ہمارے رہ نما کو دیکھ کر
اس نے حیرت سے کہا 'دیکھی جو لیلیٰ کی شبیہ
قیس دیوانہ ہوا تھا اس بلا کو دیکھ کر!
غیر نے مہندی لگائی اس کے ہاتھوں میں جو داغ
خون آنکھوں میں اُتر آیا حنا کو دیکھ کر

یہاں تک تو پہنچا گریباں سے بڑھ کر
کہاں جائے گا چاک، داماں سے بڑھ کر
عجب بے خلش زندگی ہو رہی ہے
دیا یاس نے لطف، ارماں سے بڑھ کر
یہ حوروں پہ مرتا ہے بے دیکھے بھالے
نہیں کوئی عاشق مسلماں سے بڑھ کر
دیا مفت دل داغ نے اُس پری کو
نہیں کوئی نادان انساں سے بڑھ کر

اپنی نظر میں ہیچ ہے سارے جہاں کی سیر
دل خوش نہ ہو تو کس کا تماشا، کہاں کی سیر
بابِ قبول تک نہیں پہنچی ہماری آہ
پھر پھر کے کر رہی ہے ابھی آسماں کی سیر
سیرِ خزاں بھی دیدۂ عبرت نگر کرے
کیا کی جو کی بہارِ گل و گلستاں کی سیر
کیوں آدمی کو عالمِ بالا کی ہو ہوس
بڑھ کر نہیں زمین سے کچھ آسماں کی سیر

اُٹھ نہیں سکتی حیا کے بوجھ سے — رحم آتا ہے نگاہِ یار پر
ہجر میں ہر سانس ہے اک تیغِ تیز — زندگی تلوار کی ہے دھار پر
دوست لائے اُس گلی سے جب مجھے — جم گیا سایہ مرا دیوار پر

گلزارِ داغ

وہی تو ہے شعلۂ تجلّی کہ دشتِ ایمن سے تنگ ہو کر
جب اُس نے اپنی نمود چاہی، کھلا حسینوں پہ رنگ ہو کر

نہ دیکھو دیکھو تم آئینے کو کہ مجھ کو رہتا ہے ہَول ہردم
کہیں نہ جم جائے عکس اس کا رخ مصفّا پہ زنگ ہو کر

بھرے ہوئے ہیں ہزار ارماں، پھر اس پہ ہے حسرتوں کی حسرت
کہاں نکل جاؤں یا الٰہی، میں دل کی وسعت سے تنگ ہو کر

جھکی ذرا چشمِ جنگ جو بھی، نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزا اُس ملاپ کا ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

لے گئی دل کو چرا کر تری دزدیدہ نظر
لٹے گئے ہم تو رہِ عشق میں غافل ہو کر

پاؤں اٹھتا ہی نہیں، دشت بھی زنداں ہے مجھے
جادۂ راہ لپٹتا ہے سلاسل ہو کر

نہ اٹھنے دیا دل نے اُس انجمن سے
کیا قصد سَو بار زانو بدل کر

شبِ ہجر آخر ہوئی پر ہے اتنی
بنی خضر کی عمر یہ رات ڈھل کر

ہوئے ایک دیر و حرم کے مسافر
کچھ اس راہ چل کر، کچھ اُس راہ چل کر

رہِ عشق کی ٹھوکریں ہم سے پوچھو
کہ سنبھلے ہیں گر گر، گرے ہیں سنبھل کر

نمودِ صبح تک کیا جانے کیا کیا رنگ بدلے گی
ابھی سے بے کسی چھائی ہے میری شامِ ہجراں پر

ہر وقت ہے چتون تری اے شعبدہ گر اور
اک دم میں مزاج اور ہے، اک پل میں نظر اور
ناکارہ و ناداں کوئی مجھ سا بھی نہ ہوگا
آیا نہ بجز بے ہنری مجھ کو ہنر اور

ہم جانتے ہیں خوب تری طرزِ نگہ کو ہے قہر کی آنکھ اور، محبت کی نظر اور

عجیب یہ تیرہ خاکداں ہے، اسی کی ہے روشنی جہاں ہے
فلک نے اختر بنا لیے ہیں چراغِ ہستی بجھا بجھا کر
شراب خانہ ہے یہ تو زاہد، طلسم خانہ نہیں جو ٹوٹے
کہ توبہ کرتی گئی ہے توبہ ابھی یہاں سے شکست پا کر
جو ظلم کرنا تھا سر پہ میرے تو اور فتنے اٹھائے ہوتے
اٹھائی ہے تم نے تو قیامت، رقیب کو بزم میں بٹھا کر
خدا کا ملنا بہت ہے آساں، بتوں کا ملنا ہے سخت مشکل
یقیں نہیں گر کسی کو ہمدم، کوئی تو لائے اسے منا کر
الٰہی قاصد کی خیر گزرے، کہ آج کوچے سے فتنہ گر کے
صبا نکلتی ہے لڑکھڑا کر، نسیم چلتی ہے تھرتھرا کر

بزمِ اغیار کا ظاہر ہے اثر آنکھوں پر
مہرباں! آپ کی خفّت مرے سر آنکھوں پر
داغ کے دل کا تو کچھ بھید نہ پایا ہم نے
ایک حسرت سی برستی ہے مگر آنکھوں پر

امتحاں نالۂ دل کا تو دکھا دوں لیکن
یہ تو سمجھو کہ فلک ٹوٹ پڑے گا کس پر
یوں تو معشوق گل و شمع بھی کہلاتے ہیں
دیکھنا یہ ہے کہ مرتا ہے زمانا کس پر
فتنہ پرداز، دغاباز، فسوں گر، عیّار
ہائے افسوس دل آیا بھی تو آیا کس پر
حور کے ناز و ادا کو تو فرشتے سمجھیں
خُلد میں کھائیں گے ہم آپ کا دھوکا کس پر
دل چُرایا ہے مرا آپ بھری محفل میں
اور کہتے ہیں کہ ہے شبہہ تمھارا کس پر؟

حسرتیں اترا رہی ہیں، آرزوئیں شاد ہیں
میری قسمت دیکھ کر، میرا مقدّر دیکھ کر
لن ترانی سے غرض کیا حسنِ عالم سوز کو
ہم نظر آپی چرا جاتے ہیں اکثر دیکھ کر
دید کے قابل ہے اے زاہد تماشا حشر کا
جائیں گے جنّت میں لیکن سیر دن بھر دیکھ کر
وہ خوشی بھی دید کے قابل ہے، جب ہوتا ہے شاد
مضطرب کو مضطرب، مضطر کو مضطر دیکھ کر
خوگرِ رنج و بلا ہوں، مجھ کو کچھ پروا نہیں
تم کو سنّاٹا گزر جائے گا محشر دیکھ کر
کیسے جلسے چھوڑ کر ہم آئے ہیں اے اہلِ حشر
دل بھرے گا سیر سے دو چار محشر دیکھ کر

یادگارِ داغ

جلوہ بے تاب جو ہوتا ہے تو کب چھپتا ہے
بجلیاں کوندتی ہیں پردے کے اندر باہر

پھر شبِ غم نے مجھے شکل دکھائی کیوں کر
یہ بلا گھر سے نکالی ہوئی آئی کیوں کر

تو نے کی غیر سے کل میری برائی کیوں کر
گر نہ تھی دل میں تو لب پر ترے آئی کیوں کر

تم دل آزار و ستم گر نہیں، میں نے مانا
مان جائے گی اسے ساری خدائی کیوں کر

آئینہ دیکھ کے وہ کہنے لگے آپ ہی آپ
ایسے اچھے کی کرے کوئی برائی کیوں کر

کثرتِ رنج و الم سُن کے یہ الزام ملا
اتنے سے دل میں ہے اتنوں کی سمائی کیوں کر

داغ کل تک تو دعا آپ کی مقبول نہ تھی
آج منہ مانگی مراد آپ نے پائی کیوں کر

اللہ کا گھر کعبے کو سب کہتے ہیں لیکن
دیتا ہے پتا اور وہ ملتا ہے کہیں اور

مہتابِ داغ

(نذر)

چھبتا ہے مرے دل میں ترے ناز کا انداز
آزار کا آزار ہے، انداز کا انداز

کیا جھوم کے مستانہ چلا جانبِ مقتل
دیکھو تو ذرا عاشقِ جاں باز کا انداز

نقشِ قدمِ یار بھی کرتا ہے مسخّر — رفتار میں ہے چشمِ فسوں ساز کا انداز
مَیں اِس سے بھی خوش ہوں کہ تری طرزِ جفا سے — ملتا ہے مرے طالعِ ناساز کا انداز
اے داؔغ مقلّد ہیں اِسی طرز کے ہم بھی — ہر شعر میں ہو بلبلِ شیرازؔ[1] کا انداز

گلزارِ داؔغ

نہ مزاجِ یار بدلا، نہ مرا نصیب پلٹا — نہیں اے فلک ہمیشہ تجھے انقلاب ہرگز
وہ اثر سے میں ڈرا ہوں، یہ دعائیں مانگتا ہوں — کہ مری دعا الٰہی! نہ ہو مستجاب ہرگز

مہتابِ داؔغ

(ش)

سر کو ہے تیرے سنگِ در کی تلاش — پانو کو تیری رہ گذر کی تلاش
اہلِ دنیا کو ہوگی جنّت میں — کبھی شب کی، کبھی سحر کی تلاش

ص

اب کدورت ہوئی مشہور خدا کی قدرت
دھوم تھی جس کی، وہ تھا میرا تمھارا اخلاص

---

[1] خواجہ حافظ شیرازی

جب کبھی دیکھتے ہیں عاشق و معشوق میں ربط
جل کے وہ کہتے ہیں کس کام کا ایسا اخلاص
تم تو نادان ہو، انکار کیے جاتے ہو
وصل سے اور بھی بڑھ جائے گا دونا اخلاص
اب رقیبوں کی شکایت ہے ہمارے آگے
کہ دیا تھا کہ بڑھاتے نہیں اتنا اخلاص

گلزارِ داغ

(ض)

آئے وہ بے وفا یہاں، اُس کی بلا کو کیا غرض
جائے درِ قبول تک، میری دعا کو کیا غرض
موت کو اے دلِ حزیں اور بہانے ہیں بہت
آئے جو اُس کے ہاتھ سے، میری قضا کو کیا غرض
دعویِ دیں اگر کیا، کہنے لگا وہ بُت بجا
بخش دے آپ کو خدا، ایسی خُدا کو کیا غرض
جوش ہے اب شباب کا، خاتمہ ہے حجاب کا
اُس نگہِ شریر سے شرم و حیا کو کیا غرض
اُس کی گلی سے آئے کیوں، نکہتِ زلف لائے کیوں
مجھ کو صبا سے کیا امید، مجھ سے صبا کو کیا غرض

ماہتابِ داغ

(ط)

آج ٹھہرے مری تمھاری شرط
وصل کی شرط بھی ہے پیاری شرط

اشک غمّاز ہو تو کیا کیجے
ہے محبت میں رازداری شرط

اور سنیے، وہ مجھ سے کہتے ہیں
حشر کے دن ہے جاں نثاری شرط

جوشِ رحمت کے واسطے زاہد!
ہے ذرا سی گناہ گاری شرط

بدگمانوں سے عشق کا دعوا
واہ اے داغ! خوب ہاری شرط

گلزارِ داغ

میں اور حرفِ شکوہ، غلط اے صنم غلط
واللہ جھوٹ ہے یہ، خدا کی قسم غلط

آتا ہے وہم لغزشِ مستانہ دیکھ کر
پڑتے ہیں نامہ بر کے ہزاروں قدم غلط

تعریفِ حسن سن کے وہ بولے، بہت بجا
مضمونِ شوق پڑھ کے کہا، یک قلم غلط

سن سن کے عرضِ حال کی تکرار بار بار
کہنا کسی کا ناز سے وہ دم بہ دم، غلط

کل چھیڑ سے جو ہم نے کہا کیوں ستم شعار
کہتے ہیں یہ فسانۂ رنج و الم غلط

تجھ سے امید ہو تو خدا سے ہوں نا امید
کیا جانتے نہیں ترے وعدے کو ہم غلط

مشہور کس کا نام ہے جھوٹا جہان میں
کھاتا ہے روز کون قسم پہ قسم غلط

دیکھا ہے تجھ کو آخرِ شب پاس غیر کے
کہتے ہیں خواب صبح کا ہوتا ہے کم غلط

اپنے ہی گھر کو آپ سمجھا کہ ہے بہشت
اس کے سوا حکایتِ خلد و ارم غلط

بولے وہ داغ آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ
معشوق سے حکایتِ جور و ستم غلط

حوروں سے ملیے، خلدِ بریں کو سدھاریے
دنیا میں آپ کا نہیں ہونے کا غم غلط

گلزارِ داغ

(ظ)

قول و قسم کی شرط، ملاقات کا لحاظ
انسان کو ضرور ہے ہر بات کا لحاظ

تھوڑی سی پی ہی لی ہے بہت مِنّتوں کے بعد

دامن جھٹک جھٹک کے چھڑایا ہزار بار
تم کو ہوا نہ خاک مری بات کا لحاظ

کل غیر کے بھی سامنے جھپکے گی تیری آنکھ
دن کو مزا دکھائے گا اس رات کا لحاظ

اقرار بھی ہے وصل پر انکار بھی انھیں
اِس بات کا لحاظ نہ اُس بات کا لحاظ

ماہتابِ داغ

(غ)

صورتِ غنچہ کھلی جاتی ہیں باچھیں کس قدر
کیا خوشی ہے، کس کو مارا، کیوں ہے قاتل باغ باغ؟

جب کوئی طوفاں زدہ کشتی کنارے پر لگی
کس قدر دل میں ہوئے ہیں اہلِ ساحل باغ باغ

گلزارِ داغ

مرگِ عدو سے آپ کے دل میں چھپا نہ ہو
میرے جگر میں اب نہیں ملتا سُراغِ داغ

تاریکیِ لحد سے نہیں دل جلے کو خوف
روشن رہے گا تا بہ قیامت چراغِ داغ

ماہتابِ داغ

(ق)

ہنگامِ رحلت دیکھیے دل کس طرف اپنا جُھکے
بیٹھے ہیں شیخ و برہمن، ایک اِس طرف ایک اُس طرف
زلفوں کی یہ سرگوشیاں، دل پر بلائیں لائیں گی
غمّاز ہے گرمِ سخن، ایک اِس طرف ایک اُس طرف
غیروں کا مجمع اور تم، پریوں کا جمگھٹ اور ہم
پہلو بہ پہلو انجمن، ایک اِس طرف ایک اُس طرف
اِترا رہا ہے داغ کیا ہنگامِ گل گشتِ چمن
رنگیں قبا، گل پیرہن، ایک اِس طرف ایک اُس طرف

رہے ابر مے خانے پر حشر تک — دکھائی نہ دے آسماں صاف صاف
محبت کے قصے ہیں اُلجھے ہوئے — سنو مجھ سے تم داستاں صاف صاف
پسند آئے، ہم کو بھی اشعارِ داغ — زباں پاک و شُستہ، بیاں صاف صاف

گلزارِ داغ

وہ دیکھتے ہیں بزم میں اغیار کی طرف
میں دیکھتا ہوں چرخِ ستم گار کی طرف

بیٹھے بٹھائے آئے جو شامت تو کیا علاج
دل نے کہا کہ آؤ چلیں یار کی طرف

بے کس رہیں گے حشر میں کب مجرمانِ عشق
رحمت کہے گی ہم ہیں گنہ گار کی طرف

چاہی تھی داد ہم نے دلِ صاف کی مگر
آئینہ ہوگیا ترے رخسار کی طرف

تصویر کو بھی اس کی یہاں تک غرور ہے
دیکھے کبھی نہ طالبِ دیدار کی طرف

تقصیر مے فروش کی اے محتسب نہیں
یہ چیز اُڑ کے جاتی ہے مے خوار کی طرف

چلتے نہیں وہ شرم سے نیچی نظر کیے
آنکھیں لگی ہیں شوخیِ رفتار کی طرف

دی جان کس خوشی سے تہِ تیغ داغ نے
لب پر تبسم اور نظر یار کی طرف

ماہتابِ داغ

(ک)

رہا جذبِ دل کا اثر دیر تک ملائے رہے وہ نظر دیر تک
مزا دے گیا ہو نہ پیغامِ شوق کہ سنتا رہا نامہ بر دیر تک
وہی وقتِ پیری بھی ہے داغِ عشق جلا یہ چراغِ سحر دیر تک
غشی کا بھی احسان مجھ پر ہوا وہ زانو رہا زیرِ سر دیر تک

اُدھر دیکھنا نامہ بر غور سے　　وہ محفل میں دیکھیں جدھر دیر تک
حیا سے جھکی تھیں کب آنکھیں تری　　لڑی ہے کسی سے نظر دیر تک
نَفَس کی عجب سیر ہے ہم نفس !　　کرے یوں مسافر سفر دیر تک
ترے وعدے سے زندگی بڑھ گئی　　جیے ہم اس امید پر دیر تک
محبت میں تکرار کا ہے مزا　　گلے ہوں جو باہم دگر دیر تک

نئی چاہ چھپتی ہے اے داغ کب
اڑے گی ابھی یہ خبر دیر تک

نہ آئی بات جو دل سے زباں تک　　وہ پہنچی بدگماں تک، رازداں تک
یہ سب جھگڑے ہیں جانِ ناتواں تک　　رہے گا دم کہاں تک، غم کہاں تک
ہمیں بادِ خزاں سے بھی ہے اک فیض　　کہ تنکے اڑ کے آئے آشیاں تک

گلزارِ داغ

تڑپنے دو ابھی، میں بھی تو دیکھوں　　وہ دیتے ہیں مجھے تسکیں کہاں تک

مہتابِ داغ

(ل)

خوب روؤں کو نہیں کچھ غمِ فردا اے داغ !
ہوں گے مغرور زیادہ یہ جسیں آج سے کل

وہ سیرِ چمن، وہ تماشائے دریا
وہ لطفِ شبِ ماہتاب اوّل اوّل

وہ گلیوں میں راتوں کو چھُپ چھُپ کے جانا
وہ یاروں سے کچھ کچھ حجاب اوّل اوّل

وہ ہر بات کا شوق بے سوچے سمجھے
وہ ہر کام کرنا شتاب اوّل اوّل

وہ پہلے پہل دل لگانا کسی سے
وہ کچھ شوق کا اضطراب اوّل اوّل

ہوئی داغؔ اب اُن کی تعبیر اُلٹی
نظر آئے جو ہم کو خواب اوّل اوّل

رہتا ہے روز ان کی ملاقات کا خیال
ہو جائے کاش خواب یہ دن رات کا خیال

رنجش بھی ہو تو دل کی تسلّی کے واسطے
کرتا ہوں ان کے لطف و مدارات کا خیال

اے داغؔ جو کہا ہے اُسے کر دکھائیں گے
انسان کیا وہ جس کو نہ ہو بات کا خیال

گلزارِ داغ

مجھ سا نہ دے زمانے کو پروردگار دل
آشفتہ دل، فریفتہ دل، بے قرار دل

پہلے پہل کی چاہ کا کیجے نہ امتحاں
آنا تو سیکھ لے ابھی دو چار بار دل!

ہُوا زمانۂ پیری عذاب میں داخل
جوان تھے تو جوانی تھی خواب میں داخل

کسی نے دستِ تسلّی سے ایسی چٹکی لی
سکونِ دل بھی ہوا اضطراب میں داخل

وہ لطفِ خاص ترا جس سے جاں پر بن جائے
نہ ہو کہیں ستمِ بے حساب میں داخل

یادگارِ داغ

کون سا آرام پایا آج تک
کیا کروں جائے اگر جاتا ہے دل
راہ میں کعبہ بھی ہے بت خانہ بھی
دیکھیے لے کر کدھر جاتا ہے دل

انسان خوب رو ہو تو حوروں سے کم نہیں
یہ اِس چمن کے پھول ہیں وہ اُس چمن کے پھول
مسجد میں آرہی ہے یہ خوش بو جو دل فریب
لایا ہے کوئی بُت کدۂ برہمن کے پھول
اے داغ روشنی ہے خداداد طبع میں
بجھتے نہیں ہیں میرے چراغِ سخن کے پھول

ماہتابِ داغ

(م)

رشک سے غیروں کے جی کھوتے ہیں ہم
کیا بُروں کی جان کو روتے ہیں، ہم
دیکھ لیں گے فتنۂ محشر کو بھی
اب تو چادر تان کر سوتے ہیں، ہم

ابھی ہماری محبت کسی کو کیا معلوم
کسی کے دل کی حقیقت کسی کو کیا معلوم

یقیں تو یہ ہے وہ خط کا جواب لکھیں گے
مگر نوشتۂ قسمت کسی کو کیا معلوم

جو سخت بات سنے دل تو ٹوٹ جاتا ہے
اس آئینے کی نزاکت کسی کو کیا معلوم

کیا کریں وہ سنانے کو پیار کی باتیں
انھیں ہے مجھ سے عداوت کسی کو کیا معلوم

خدا کرے نہ پھنسے دامِ عشق میں کوئی
اُٹھائی ہے جو مصیبت کسی کو کیا معلوم

ابھی تو فتنے ہی برپا کیے ہیں عالم میں
اُٹھائیں گے وہ قیامت کسی کو کیا معلوم

گلزارِ داغ

قصدِ صحرا ہے دلِ ویراں کے ساتھ
اک بیاباں لے چلے ہیں گھر سے ہم

دل جو اپنا تم نے مانگا تو کہا
کیا چُرا لائے تمھارے گھر سے ہم

وہ ستم گر رو برو ہوگا تو داغؔ
کیا کہیں گے داورِ محشر سے ہم

شبِ وصال نہ چھُٹلے بنو حیا کے تم
جفا کے تم سے گِلے ہم کریں، وفا کے تم

مزا ہو حشر میں دونوں ہوں ایک بار طلب
ہمارے ساتھ چلو سامنے خدا کے تم

یادگارِ داغ

جورِ فلک میں خاک بھی لذّت نہیں رہی
جی چاہتا ہے تیری جفائیں اٹھائیں ہم

ناراض ہو خدا تو کریں بندگی سے خوش
معشوق روٹھ جائے تو کیوں کر منائیں ہم

دشمن سے ملتے جلتے ہیں خاطر سے دوست کی
کیا فائدہ جو دوست کو دشمن بنائیں ہم

تو بھولنے کی چیز نہیں خوب یاد رکھ　　اے داغ کس طرح تجھے دل سے بھلائیں ہم

جس وقت آئے ہوش میں کچھ بے خودی سے ہم　　کرتے رہے خیال میں باتیں اُسی سے ہم
نقشِ قدم پہ آنکھیں ملیں، مل کے چل دیے　　کیا اور خاک لے گئے تیری گلی سے ہم
یوسف کہا جو اُن کو تو ناراض ہو گئے　　تشبیہ اب نہ دیں گے کسی کو کسی سے ہم
کئی دن ہوئے ہیں ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے　　کس طرح توبہ کر لیں الٰہی ابھی سے ہم
ہم سے چھپے گا عشق، یہ کہنے کی بات ہے　　کیا کچھ بُری بھلی نہ کہیں گے کسی سے ہم
غیروں سے التفات پہ ٹوکا تو یہ کہا　　دنیا میں بات بھی نہ کریں کیا کسی سے ہم
عادت بری بلا ہے یہ چھٹتی نہیں کبھی　　دنیا کے غم اٹھاتے ہیں کس کس خوشی سے ہم

ملے شباب میں ہر ایک گل عذار سے ہم　　لٹے بہار کے موسم میں کس بہار سے ہم
رقیب اور وفادار، پھر یقیں اس کا　　مٹے ہوئے ہیں ترے رنگِ اعتبار سے ہم
خدا کے قہر سے اتنا کوئی نہیں ڈرتا　　ہوئے ہیں خوف زدہ جتنے ترے پیار سے ہم

کافر کہیں ہم کو یا مسلماں　　اب ہو گئے جس کے ہو گئے ہم

آفتاب داغ

(ن)

بُت کو بُت اور خُدا کو جو خُدا کہتے ہیں
ہم بھی دیکھیں تو اسے دیکھ کے کیا کہتے ہیں

بزمِ اجاب و مے ناب و وصالِ معشوق
اب کسی شے میں نہیں جس کو مزا کہتے ہیں

اس کے ہاتھوں سے یہی ذلت و خواری ہو گی
غیر اپنی تو خبر لیں، مجھے کیا کہتے ہیں

میں گنہ گار، اگر عشقِ مجازی ہے گناہ
ہیں خطادار، اگر اس کو خطا کہتے ہیں

دعوئِ مہر و وفا ان کی زباں پر آیا
اور سینے کہ وہ میرا ہی کہا کہتے ہیں

وقت ملنے کا جو پوچھا تو کہا: کہہ دیں گے
غیر کا حال جو پوچھا تو کہا: کہتے ہیں

چوٹ کھانے سے جو دل ٹوٹ گیا ہے اپنا
لوگ اس کو بھی ترا عہدِ وفا کہتے ہیں

نہیں ملتا کسی مضمون میں اپنا مضموں
طرز اپنی ہے جُدا، سب سے جدا کہتے ہیں

پہلے تو داغ کی تعریف ہوا کرتی تھی
اب خدا جانے وہ کیوں اس کو بُرا کہتے ہیں

اس کی شرارتیں بھی قیامت سے کم نہیں
دل تجھ سے بڑھ کے ہے کسی صورت سے کم نہیں

اندوہ و درد یاس و غم و رنج اپنے پاس
جو کچھ ہے وہ تمھاری عنایت سے کم نہیں

دنیا میں اِن بُتوں نے جلایا ہے اس قدر
دوزخ بھی میرے واسطے جنت سے کم نہیں

کیا ماجرا کہوں دلِ امیدوار کا | اک آرزو ہزار مصیبت سے کم نہیں
وہ اپنے دل میں خوش ہوں، یہ ہے بات ہی کچھ اور | شکرِ جفا وگرنہ شکایت سے کم نہیں

مجال کس کی ہے اے ستم گر، سُنائے جو تجھ کو چار باتیں
بھلا کیا اعتبار تو نے، ہزار مُنہ ہیں ہزار باتیں
رقیب کا ذکر وصل کی شب، پھر اس پہ تاکید ہے کہ سنیے
تمہیں تو اک داستان ٹھہری، ہمیں ہیں یہ ناگوار باتیں
بری بلا ہے یہ داغِ پُر فن، تم اس کو ہرگز نہ مُنہ لگانا
وگرنہ ڈھب پر لگا ہی لے گا، سنیں اگر اس کی چار باتیں

بُتانِ ماہ وش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
کہ جس کی جان جاتی ہے اسی کے دل میں رہتے ہیں
زمیں پر پاؤں نخوت سے نہیں رکھتے پری پیکر
یہ گویا اس مکاں کی دوسری منزل میں رہتے ہیں
محبت میں مزا ہے چھیڑ کا لیکن مزے کی ہو
ہزاروں لطف ہر اک شکوۂ باطل میں رہتے ہیں
محیطِ عشق کی ہر موج طوفاں خیز ایسی ہے
وہ ہیں گرداب میں جو دامنِ ساحل میں رہتے ہیں
ہمارے سایے سے بچتا ہے ہر اک بزم میں ان کی
ہمیں دیکھو کہ ہم تنہا بھری محفل میں رہتے ہیں

فلک دشمن ہوا گردش زدوں کو جب ملی راحت
زیادہ راہ سے کھٹکے مجھے منزل میں رہتے ہیں

کوئی نام و نشاں پوچھے تو اے قاصد بتا دینا
تخلّص داغ ہے، وہ عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

یہ کیا کہا کہ داغ کو پہچانتے نہیں
وہ ایک ہی تو شخص ہے، تم جانتے نہیں
بدعہدیوں کو آپ کی کیا جانتے نہیں۔
کل مان جائیں گے، اسے ہم مانتے نہیں
کیا داغ نے کہا تھا جو ایسے بگڑ گئے
عاشق کی بات کا تو برا مانتے نہیں

پردے پردے میں عتاب اچھے نہیں
ایسے اندازِ حجاب اچھے نہیں
اے فلک کیا ہے زمانے کی بساط
دم بدم کے انقلاب اچھے نہیں
کوئی بزمِ وعظ سے کہتا گیا
ایسے جلسے بے شراب اچھے نہیں

کیا کہوں تجھ کو جو بے مہر و فسوں گر نہ کہوں
جس کو دنیا کہے اس بات کو کیوں کر نہ کہوں

مہربانی سے کسی شخص نے پوچھا ہے مزاج
سخت مشکل ہے کہ حالِ دلِ مضطر نہ کہوں

میری شامت ہے کہوں، آپ کا بگڑا ہے مزاج
اس کو بگڑا ہوا میں اپنا مقدر نہ کہوں!

دل کی تاکید ہے ہر حال میں ہو پاسِ وفا
کیا ستم ہے کہ ستم گر کو ستم گر نہ کہوں !
غیر کا حال چھپائے سے کوئی چھپتا ہے
گو کسی وجہ سے میں آپ کے مُنہ پر نہ کہوں
اب کے کچھ مُنہ سے نکالا تو تمھیں جانو گے
داغؔ پھر مجھ کو نہ کہنا جو برابر نہ کہوں

راہ پر ان کو لگالائے تو ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں
ابرِ رحمت ہی برستا نظر آیا زاہد !
خاک اڑتے کبھی دیکھی نہ خراباتوں میں
تمھیں انصاف سے اے حضرتِ ناصح کہہ دو
لطف اِن باتوں میں آتا ہے کہ اُن باتوں میں
ایسی تقریر سنی تھی نہ کبھی شوخ و شریر
تیری آنکھوں کے بھی فتنے ہیں تری باتوں میں
عہدِ جمشید میں تھا لطفِ مے و ابر و ہوا
کب یہ معشوق تھے اُس وقت کی برساتوں میں
ہم نے دیکھا اُنھیں لوگوں کو ترا دم بھرتے
جن کی شہرت تھی یہ ہرگز نہیں اِن باتوں میں
بھیج دیتا ہے انھیں عشق متاعِ دل و جاں
ایک سرکار لُٹی جاتی ہے سوغاتوں میں

زبان قطع کرو دل کو کیوں جلاتے ہو
اسی سے شکوہ، اسی سے سوال کرتے ہیں
ہزار کام مزے کے ہیں داغ الفت میں
جو لوگ کچھ نہیں کرتے، کمال کرتے ہیں

بھویں تنتی ہیں، خنجر ہاتھ میں ہے، تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے کہ وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں
الٰہی! کیوں نہیں اٹھتی قیامت، ماجرا کیا ہے؟
ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں
بہت رویا ہوں میں جب سے یہ میں نے خواب دیکھا ہے
کہ آپ آنسو بہائے سامنے دشمن کے بیٹھے ہیں
تلاشِ منزلِ مقصد کی گردش اٹھ نہیں سکتی
کمر کھولے ہوئے رستے میں ہم رہزن کے بیٹھے ہیں
کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتے چلے جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

دردِ دل کا کوئی پہلو جو نکالوں تو کہوں
اپنے روٹھے ہوئے دلبر کو منالوں تو کہوں
میں نے جو پائی ہے اُس تیغِ ادا میں لذّت
سامنے خضر و مسیحا کو بٹھالوں تو کہوں

شبِ ہجراں میں جو کچھ اس سے ہوئی ہیں باتیں
تیری تصویر کو سینے سے لگالوں تو کہوں
میں ہوں بے تاب، وہ بدمست، فسانہ ہے دراز
دل کو تھاموں تو کہوں، ان کو سنبھالوں تو کہوں

تمکیں تری شوخی میں تو شوخی ہے حیا میں
غمزہ ترے انداز میں، انداز ادا میں

دل گیا، تم نے لیا، ہم کیا کریں
جانے والی چیز کا غم کیا کریں
میں نے مرکر، ہجر میں پائی شفا
ایسے اچھے کا وہ ماتم کیا کریں
ایک ساغر پر ہے اپنی زندگی
رفتہ رفتہ اس سے بھی کم کیا کریں
دل نے سیکھا شیوۂ بیگانگی
ایسے نامحرم کو محرم کیا کریں
کہتے ہیں اہلِ سفارش مجھ سے داغؔ
تیری قسمت ہے بُری ہم کیا کریں

ضد ہر اک بات پر نہیں اچھی
دوست کی دوست مان لیتے ہیں
مستعد ہو کے یہ کہو تو سہی
آئیے! امتحان لیتے ہیں
داغؔ بھی ہے عجیب سحر بیاں
بات جس کی وہ مان لیتے ہیں

ماہتابِ داغؔ

زاہد نہ کہہ بُرے یہ مستانے آدمی ہیں
تجھ کو لپٹ پڑیں گے دیوانے آدمی ہیں

غیروں کی دوستی پر کیوں اعتبار کیجے
یہ دشمنی کریں گے' بیگانے آدمی ہیں

تم نے ہمارے دل میں گھر کرلیا تو کیا ہے
آباد کرتے آخر ویرانے آدمی ہیں

غیر کے سامنے یوں ہوتے ہیں شکوے مجھ سے
دیکھتے ہیں وہ اُدھر' بات اِدھر کرتے ہیں

ایک تو نشۂ مے' اُس پہ نشیلی آنکھیں
ہوش اُڑتے ہیں جدھر کو وہ نظر کرتے ہیں

حضرتِ داغؔ کو دلّی کی ہَوا خوب لگی
رات دن عیش ہے' جلسوں میں بسر کرتے ہیں

عذر آنے میں بھی ہے اور بلاتے بھی نہیں
باعثِ ترکِ ملاقات بتاتے بھی نہیں

سر اٹھاؤ تو سہی' آنکھ ملاؤ تو سہی
نشۂ مے بھی نہیں' نیند کے ماتے بھی نہیں

کیا کہا؟ پھر تو کہو: ہم نہیں سنتے تیری
نہیں سنتے' تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

دیکھتے ہی مجھے محفل میں یہ ارشاد ہوا
کون بیٹھا ہے، اسے لوگ اٹھاتے بھی نہیں

ہو چکا قطع تعلّق تو جفائیں کیوں ہوں
جن کو مطلب نہیں رہتا وہ ستاتے بھی نہیں

زیست سے تنگ ہو اے داؔغ تو جیتے کیوں ہو؟
جان پیاری بھی نہیں، جان سے جاتے بھی نہیں

چوٹ کھانا دلِ حزیں نہ کہیں — درد رہ جائے گا کہیں نہ کہیں
کیا ملے گا کوئی حسیں نہ کہیں — جی بہل جائے گا کہیں نہ کہیں
ہے کدورت بھری ہوئی اس میں — آسماں پر بھی ہو زمیں نہ کہیں
یہ تو کہیے کہ رات کی باتیں — آپ نے غیر سے کہیں نہ کہیں
جن کو حوریں بیان کرتے ہیں — خلد میں ہوں یہی حسیں نہ کہیں
نہ کرو امتحانِ مہر و وفا — آئے اس جھوٹ پر یقیں نہ کہیں
موت اسی آستاں پہ آجائے — صرفِ سجدہ ہو پھر جبیں نہ کہیں
آپ کی گفتگو کا کیا کہنا — چار باتیں بھی دل نشیں نہ کہیں
تیرے عاشق ہیں کافر و دیں دار — ایک ہو جائے کفر و دیں نہ کہیں

داؔغ پھر تاک جھانک کرتے ہیں
اب گھرے، اب پھنسے کہیں نہ کہیں

دے کے خط کون انتظار کرے اپنے قاصد کے، ہم رکاب ہوں میں

میں نے چاہا جو تمھیں اس کا گنہ گار تو ہوں مگر اتنا بھی سمجھ لو کہ وفادار تو ہوں
عمر بھر آپ نے مجھ کو کبھی اچھا نہ کہا خیر، اچھا نہ سہی آپ کا بیمار تو ہوں
تابِ نظارۂ انوارِ تجلّی نہ سہی میری، ہمّت ہے کہ میں طالبِ دیدار تو ہوں

ہم تو فریاد و فغاں، آہ و بُکا کرتے ہیں
جن سے کچھ ہو نہیں سکتا، وہ دعا کرتے ہیں
خوفِ محشر سے وہ کب ترکِ جفا کرتے ہیں
بہت اس طرح کے ہنگامے ہوا کرتے ہیں
کچھ تعلّق تو رہے، شکوۂ بے جا ہی سہی
نہ کیا تم نے گلہ اس کا گِلا کرتے ہیں
سچ کہا تذکرۂ غیر سے کیا حاصل ہے
اک تماشے کے لیے چھیڑ دیا کرتے ہیں
داغؔ کا رشک سُنا غیر سے تو اس نے کہا
ان کی تقدیر میں جلنا ہے، جلا کرتے ہیں

آشوبِ حشر اس بُتِ خود سر سے کیا کہیں محشر کا حال، فتنۂ محشر سے کیا کہیں
گو اپنی ضد کے ایک ہو تم، مان جاؤ گے یہ مانتا نہیں، دلِ مضطر سے کیا کہیں؟
سمجھے ہو تم کہ غیر کے شکوے ہیں ایک دو یہ داستان کم نہیں دفتر سے، کیا کہیں!

کوئی کرے سوال تو کچھ دیجیے جواب — بُت بن گئے جب آپ تو پتھر سے کیا کہیں
کہتے ہیں وہ، کہو تو سہی دل کا حال کچھ — حیران ہم کھڑے ہیں گھڑی بھر سے، کیا کہیں

مجھے دل کی ایذا سے راحت نہیں — پرائی مصیبت سے فرصت نہیں
غمِ دو جہاں بھی ہے کافی مجھے — مگر آدمی کو قناعت نہیں
یہاں منصفی حشر پر منحصر — وہاں فیصلے کی ضرورت نہیں
تری آرزو جن کو ہے ان کو ہے — خدا کی قسم، ہم کو حسرت نہیں
بظاہر اٹھانا مجھے بزم سے — اشارے سے کہنا: "اجازت نہیں"
دیا نامہ بر نے یہ آکر جواب — اُنھیں بات کرنے کی فرصت نہیں

کسی کوچے میں جب ہم اچھی صورت دیکھ لیتے ہیں
لگی رہتی ہے اپنے دم قدم سے وہ زمیں برسوں
ہر شمشیرِ قاتل اس خوشی سے جان دی میں نے
لبِ دشمن سے بھی نکلی صدائے آفریں برسوں
نہیں تھا تو بھی تھا وہ بے وفا آغوشِ دشمن میں
کہ میری بدگمانی نے اسے رکھا وہیں برسوں
خدا کی شان اب تم داغ کی صورت سے جلتے ہو
وہی دل سوز ہے جو رہ چکا ہے دل نشیں برسوں

نام ظالم کا جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو — آسماں کو بھی ستم گار کہوں یا نہ کہوں؟

ہاتھ کیوں رکھتے ہو مُنہ پر مرے مطلب کیا ہے
باعثِ رنجش و تکرار کہوں یا نہ کہوں ؟

مجھ سے قاصد نے کہا سن کے زبانی پیغام
یہی کہنا تو ہے دشوار کہوں یا نہ کہوں ؟

آپ کا حال جو غیروں نے کہا ہے مجھ سے
ہیں مرے کان گنہ گار کہوں یا نہ کہوں ؟

نہیں چھپتی، نہیں چھپتی، نہیں چھپتی الفت
سب کہے دیتے ہیں آثار کہوں یا نہ کہوں ؟

داغ ہے نام مرا، برق طبیعت میری
گرم اس طرح کے اشعار کہوں یا نہ کہوں ؟

پند گو تیری سنوں کیا اس ہجومِ شوق میں
چھیڑنا یہ تذکرہ اُس وقت جب فرصت میں ہوں

جھوٹی قسمیں بہت ہیں کھانے کو
میرے مرنے کا غم وہ کھائیں کیوں ؟

آج غیروں کے شکوے ہوتے ہیں
آپ ایسوں کو مُنہ لگائیں کیوں ؟

دیکھیں تو کیسے فتنے ہیں نیچی نگاہ میں
آئینہ رکھ دے کاش کوئی اُن کی راہ میں

شکوۂ مہر و وفا کس نے کہا، کس سے سُنا
پھر وہی آپ مرا نام لیے جاتے ہیں

جب تصوّر میں کوئی پردہ نشیں ہوتا ہے
دل سے آنکھوں کے بہت کام لیے جاتے ہیں

مے کشو ! حضرتِ زاہد کی تلاشی لینا
کہ چھپائے ہوئے وہ جام لیے جاتے ہیں

تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
تجھے ہر بہانے سے ہم دیکھتے ہیں

پھرے بُت کدے سے تو اے اہلِ کعبہ!
پھر آکر تمھارے قدم دیکھتے ہیں

ہمیں چشمِ بینا دکھاتی ہے سب کچھ
وہ اندھے ہیں جو جامِ جم دیکھتے ہیں

نہ ایمائے خواہش، نہ اظہارِ مطلب
مرے منہ کو اہلِ کرم دیکھتے ہیں

رہا کون محفل میں اب آنے والا
وہ چاروں طرف دم بدم دیکھتے ہیں

غنیمت ہے چشمِ تغافل بھی ان کی
بہت دیکھتے ہیں جو کم دیکھتے ہیں

خدا کی شانِ کریمی کا پوچھنا کیا ہے
غضب تو یہ ہے گنہ گار ہم تمھارے ہیں

کچھ ترا شوق کچھ تری حسرت
اور رکھا ہی کیا ہے اب ہم میں

بزمِ دشمن میں کس طرح مرتا
موت آتی نہیں جہنم میں

کر دیا مجبور اِس عاشق مزاجی نے مجھے
آ ہی جاتی ہے طبیعت، میں کروں تو کیا کروں

پا برہنہ، دشت ویراں، دورِ منزل، راہ سخت
تو بتا اے شامِ غربت! میں کروں تو کیا کروں

ہوش ہی جاتے رہیں تو آدمی کیا کر سکے
دیکھ لوں جب اچھی صورت، میں کروں تو کیا کروں

اس ادا سے وہ جفا کرتے ہیں
کوئی جانے کہ وفا کرتے ہیں

نامہ بر! تجھ کو سلیقہ ہی نہیں
کام باتوں میں بنا کرتے ہیں

یہ بتاتا نہیں کوئی مجھ کو
دل جو آتا ہے تو کیا کرتے ہیں

دیکھ کر تصویرِ یوسف کہہ دیا: کچھ بھی نہیں
آپ ہی سب کچھ ہیں گویا، دوسرا کچھ بھی نہیں

اُن کو خط لکھا ہے تو پہلو بچا کر خوف سے
ہے عبارت ہی عبارت، مدّعا کچھ بھی نہیں

کسی کا مجھ کو نہ محتاج رکھ زمانے میں
کمی ہے کون سی یارب ترے خزانے میں

سرِ نیاز کے جھکتے ہی آنکھ سے دیکھا
بھرا ہے جلوہ عجب تیرے آستانے میں

مآلِ کار خدا جانے داغؔ کیا ہوگا
خدا سے کام پڑا آخری زمانے میں

جدھر سے وہ گزرے، قیامت بپا تھی
کہ نقشِ قدم تک تڑپتے رہے ہیں

محبت میں اچھا نہیں دوڑ چلنا
جو آگے چلے ہیں وہ پیچھے رہے ہیں

نصیبوں سے ملتا ہے دردِ محبت
یہاں مرنے والے ہی اچھے رہے ہیں

گئی داغؔ کے ساتھ مہرِ محبت
فقط اب تو دعوے ہی دعوے رہے ہیں

خط میں لکھے ہوئے رنجش کے کلام آتے ہیں
کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں

تابِ نظارہ کسے، دیکھے جو اُن کے جلوے
بجلیاں کوندتی ہیں جب لبِ بام آتے ہیں

رہروِ راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اِس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

رسمِ تحریر بھی مٹ جائے یہی مطلب ہے
اُن کے خط میں مجھے غیروں کے سلام آتے ہیں

ہوا رشکِ عدو بھی عاشقی میں — لگا دی اور قسمت نے لگی میں
کروں کیا چار دن کی زندگی میں — رہی جاتی ہے حسرت جی کی جی میں
نہ اِترا اے دلِ ناداں شبِ وصل — کوئی غم ہو ہی جاتا ہے خوشی میں
غضب وہ ہر ادا پر اُس کا کہنا — بھلا یہ بات دیکھی ہے کسی میں
تمھیں کھل جائے گی دل کی تمنّا — ابھی ہے بند خوشبو اس کلی میں
عداوت اُن کی ظاہر ہو نہ اُلفت — وہی ہے جو سمجھ لو اپنے جی میں

کھُلے گر بال و پر اب کے تو صیّاد — قفس رکھّا ہوا ہے آشیاں میں
نمودِ حُسن کو ہے عشق درکار — بہت ہوتے ہیں یوسف کارواں میں

تھی زمانے میں روشنی جس کی — ہائے اُس گھر میں اب چراغ نہیں
کھوج ملتا ہے ہر مسافر کا — عمرِ رفتہ کا کچھ سُراغ نہیں
داغ کو کیوں مٹائے دیتے ہو — دل سے ہو دور، یہ وہ داغ نہیں

نیند آئے جو کسی رات، یہ ممکن ہی نہیں
مجھ پہ گزرے نہ قیامت، وہ کوئی دن ہی نہیں
کس بھروسے پہ دکھاؤں نگہِ یار کو دل
جور کا سارے جہاں میں کوئی ضامن ہی نہیں
مانگتا ہوں جو دعا وصل کی اُن کے آگے
چپکے چپکے وہ کہے جاتے ہیں ممکن ہی نہیں

مجھ سے وہ کہتے ہیں: پروانے کو دیکھا تو نے
دیکھ یوں جلتے ہیں، اس طرح سے دم دیتے ہیں

سادگی ہے کہ شرارت ہے جو ہر بات پہ وہ
میرے دشمن کو مرے سر کی قسم دیتے ہیں
تو وفا کرتی جو اے عمرِ رواں کیا ہوتا
بے وفائی پہ تری سیکڑوں دم دیتے ہیں

نہ گئی تاک جھانک کی عادت — لیے پھرتی ہیں در بدر آنکھیں
کیا یہ جادو بھرا نہ تھا کاجل — سرخ کرلیں جو پونچھ کر آنکھیں

سب لوگ جدھر وہ ہیں، اُدھر دیکھ رہے ہیں
ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں
ہر چند کہ ہر روز کی رنجش ہے قیامت
ہم کوئی دن اس کو بھی مگر دیکھ رہے ہیں
کب تک ہے تمھارا سخنِ تلخ گوارا
اس زہر میں کتنا ہے اثر، دیکھ رہے ہیں
کچھ دیکھ رہے ہیں دلِ بسمل کا تڑپنا
کچھ غور سے قاتل کا ہنر دیکھ رہے ہیں
کیوں کفر ہے دیدارِ صنم، حضرتِ واعظ!
اللہ دکھاتا ہے، بشر دیکھ رہے ہیں
میں داغؔ ہوں، مرتا ہوں، اِدھر دیکھیے مجھ کو
آئنہ پھیر کے یہ آپ کدھر دیکھ رہے ہیں

اے فلک! کہُ تو کیا ارادہ ہے — عیش کے خواستگار ہم بھی ہیں
بزمِ دشمن میں لے چلا ہے دل — کیسے بے اختیار ہم بھی ہیں
آئی مے خانے سے یہ کس کی صدا — لاؤ، یاروں کے یار ہم بھی ہیں

یہ تو نہیں کہ تم سا جہاں میں حسیں نہیں — اِس دل کو کیا کروں، یہ بہلتا کہیں نہیں
ہاں ہاں کہو زبان سے یا تم نہیں نہیں — ہم کو تمھاری بات کا مطلق یقیں نہیں
دل کے سوا نہ کعبے میں ہے وہ نہ دیر میں — گر ہے تو بس یہیں ہے نہیں تو کہیں نہیں
کہتا ہوں دل سے اور حسیں ڈھونڈیے کہیں — آتا ہے پھر خیال کہ ایسا کہیں نہیں
افسوس ہے کہ درد بھی اب چھوڑتا ہے ساتھ — یہ بھی اخیر وقت کہیں ہے کہیں نہیں
باتیں تمھاری اور تمھاری شکایتیں — جو کچھ سنی ہیں، ہم نے وہ تم سے کہیں نہیں

وہ نہایت ہمیں مغرور نظر آتے ہیں — پاس بیٹھے ہیں مگر دور نظر آتے ہیں
چاند سورج کو فلک! اپنے لیے رہنے دے — ہم کو کیا کیا رُخِ پرُ نور نظر آتے ہیں
خانۂ غیر میں بے پردہ ہے وہ ماہ جمال — کہ ستارے مجھے بے نور نظر آتے ہیں
شکر کرتا ہوں انھیں دیکھ کے دشمن ہوں کہ دوست — مجھ کو دنیا میں جو مسرور نظر آتے ہیں

کل جو تھا آج وہ مزاج نہیں — اس تلوّن کا کچھ علاج نہیں
لے کے دل رکھ لو، کام آئے گا — گو ابھی تم کو احتیاج نہیں
دلِ بے مدّعا خدا نے دیا — اب کسی شے کی احتیاج نہیں
حور سے پوچھتا ہوں جنّت میں — اس جگہ کیا بتوں کا راج نہیں

یہ بُت جو دیتے ہیں جھوٹی زبان دیتے ہیں
خدا کے واسطے پر لوگ جان دیتے ہیں

کیا ہے بوسے کا وعدہ، مگر ہے وہ احسان
کوئی یہ جانے کہ دونوں جہان دیتے ہیں

وہ تم کہ روز نئی بدگمانیاں ہیں تمھیں
وہ ہم کہ روز نیا امتحان دیتے ہیں

کہے جو داغ کہ ہم جاں نثار ہیں، سب جھوٹ
یہ لوگ مُفت کہیں اپنی جان دیتے ہیں

گلزارِ داغ

بے کسی! صدمۂ ہجراں کی مجھے تاب نہیں
کاش! دشمن ہی چلے آئیں جو احباب نہیں

آنکھ لگتی ہے تو کہتے ہیں کہ نیند آتی ہے
آنکھ جو اپنی لگی چین نہیں، خواب نہیں

رازِ دل کس سے کہوں؟ حضرت ناصح کہیے
جو مرے دوست ہیں کیا غیر کے احباب نہیں؟

نہ ملے مجھ کو مرے حال پہ رونے والے
عیش کیسا کہ یہاں غم کے بھی اسباب نہیں

پوچھتے کیا ہو کہ دیکھا شبِ وعدہ کیا کیا
تم سے تعبیر بن آئے وہ مرا خواب نہیں

حالِ دل جس سے کہا اس نے کہا بس خاموش
داغؔ اس درد کے سننے کی ہمیں تاب نہیں

کیا کیا فریب دل کو دیے اضطراب میں
ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں
شوخی نے تم کو ڈال دیا اضطراب میں
کچھ تمکنت کا لطف نہ دیکھا شباب میں
کیا جانیں کیا سکھائیں گے ان کو صلاح کار
ہر روز گفتگو ہے نئی میرے باب میں
جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں ان سے ہم کلام
کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں
کوئی گِلہ کرے گا نہ غصّے کی بات کا
کہنا ہو جو کسی کو، وہ کہہ لو عتاب میں

الٰہی کیا کریں ضبطِ محبّت، ہم تو مرتے ہیں
کہ نالے تیر بن بن کر کلیجے میں اترتے ہیں
جفا پر جان دیتے ہیں، ستم پر تیرے مرتے ہیں
یہ نا کامِ محبّت، سچ تو یہ ہے کام کرتے ہیں
کہیں کیا ہم پہ جو صدمے گزرتے ہیں، گزرتے ہیں
لگایا جس گھڑی دل، اس گھڑی کو یاد کرتے ہیں

تماشا جب سے دیکھا ہے مرے دل کے تڑپنے کا
تماشا ہے کہ وہ اپنی نظر سے آپ ڈرتے ہیں

کبھی یہ دل تماشا گاہ تھا عیش و مسرت کا
اب اس میں حسرت و شوق و تمنّا سیر کرتے ہیں

زباں سے گر کیا بھی وعدہ تونے تو یقیں کس کو
نگاہیں صاف کہتی ہیں کہ دیکھو یوں مُکرتے ہیں

ستم دیکھو، بیانِ رنج پر کہتا ہے وہ ظالم
یہ صدمہ تو نہیں، آخر کسی پر ہم بھی مرتے ہیں

نہ پوچھو داغؔ ہم سے انتظارِ یار کی صورت
یہ آنکھیں جانتی ہیں خوب جو نقشے گزرتے ہیں

جس پہ عاشق ہے صبا اس خاک کا ذرّہ ہوں میں
برق جس پر لوٹ ہے اس کھیت کا میں دانہ ہوں

میں اگر ہمدرد کے دل میں ہوں تو اک درد ہوں
میں زباں پر ہم زباں کے ہوں تو اک افسانہ ہوں

ہائے کس طور سے بنے وہ کام
ہو قدم دل کا درمیاں جس میں

آنکھ اُس کی صبا نے دیکھی تھی
ڈال دی خاک چشمِ نرگس میں

گر کہا تم گلے سے مل جاؤ
مل گیا زہر کون سا اس میں

جب کہا اور بھی دنیا میں حسیں اچھے ہیں
کیا ہی جھنجھلا کے وہ بولے کہ ہمیں اچھے ہیں

نہ اُٹھا خوابِ عدم سے ہمیں ہنگامۂ حشر!
کہ پڑے چین سے ہم زیرِ زمیں اچھے ہیں

خاک میں آہ ملا کر ہمیں کیا پوچھتے ہو
خیر جس طور ہیں وہ خاک نشیں، اچھے ہیں

بُت وہ کافر ہیں کہ اے داغ خدا ان سے بچائے
کون کہتا ہے یہ غارت گرِ دیں اچھے ہیں

بھر دیں عجب ادائیں اُس شوخِ سیم تن میں
اک ٹیڑھ سادگی میں، اک سیدھ بانکپن میں

مطلب کی چھیڑ اُن سے پنہاں سخن سخن میں
سچ یہ کہ داغِ پُرفن، یکتا ہے اپنے فن میں

اس رنجِ بے کسی کی یارب خبر نہ پہنچے
جائے نہ شامِ غربت سر پیٹتی وطن میں

یہ کیا کہ دل میں آؤ تو خاک میں ملاؤ
رونق ہو انجمن کی، بیٹھو جس انجمن میں

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں
ناز والے نیاز کیا جانیں

شمع رو آپ گو ہوئے لیکن
لطفِ سوز و گداز کیا جانیں

کب کسی در کی جبہہ سائی کی
شیخ صاحب نماز کیا جانیں

جو رہِ عشق میں قدم رکھیں — وہ نشیب و فراز کیا جانیں
پوچھیے مے کشوں سے لطفِ شراب — یہ مزا پاکباز کیا جانیں
جن کو اپنی خبر نہیں اب تک — وہ مرے دل کا راز کیا جانیں
حضرتِ خضر جب شہید نہ ہوں — لطفِ عمرِ دراز کیا جانیں
جو گزرتے ہیں داغؔ پر صدمے — آپ بندہ نواز کیا جانیں

اے آہ! دل میں رہ کہ جو پردہ رہے ترا
جاتی ہے دوڑ دوڑ کے تو بے اثر کہاں
الفت جتایئے تو غلط، جھوٹ، نادرست
دل مانگیے تو کہتے ہیں کیسا؟ کدھر؟ کہاں؟
مے خانے سے قریب تھی مسجد بھلے کو داغؔ
ہر ایک پوچھتا ہے کہ حضرت، ادھر کہاں؟

ایسی وحشت نہیں اپنی کہ ہو محتاجِ بہار
پہلے ہی چاک گریبان کیے بیٹھے ہیں
حسرت و یاس و تمنّا کے لیے اک دل تھا
ہم اسے پہلے ہی ویران کیے بیٹھے ہیں

نالے کرنے دلِ ناکام بُرے ہوتے ہیں — کہ بُرے کاموں کے انجام بُرے ہوتے ہیں
چھیڑ معشوق سے کیجے تو ذرا تھم تھم کر — روز کے نامہ و پیغام بُرے ہوتے ہیں

مہربانی نہ کرو اور غضب آئے گا — اس بھلائی میں مرے کام بُرے ہوتے ہیں
راہ پر حضرتِ زاہد کو لگاہی لائے — سچ تو یہ ہے کہ مے آشام بُرے ہوتے ہیں

بھٹکتے پھرتے ہیں اس رہ گذار میں عاشق
مسافروں کی ہے مٹّی خراب رستے میں
گلی سے یار کی ہم اٹھ کے چل چکے تھے مگر
مچل گیا دلِ پُر اضطراب رستے میں

زاہد نہ کہو بُری کہ یہ مستانے آدمی ہیں
تجھ کو لپٹ پڑیں گے، دیوانے آدمی ہیں
غیروں کی دوستی پر کیوں اعتبار کیجے
یہ دشمنی کریں گے بیگانے آدمی ہیں
کیا چور ہیں جو ہم کو درباں تمھارا ٹوکے
کہہ دو کہ یہ تو جانے پہچانے آدمی ہیں
تم نے ہمارے دل میں گھر کر لیا تو کیا ہے
آباد کرتے آخر ویرانے آدمی ہیں
مَیں وہ بشر کہ مجھ سے ہر آدمی کو نفرت
تم شمع وہ کہ تم پر پروانے آدمی ہیں
محفل بھری ہوئی ہے سودائیوں سے اسکی
اس غیرتِ پری پر دیوانے آدمی ہیں

مے کشو مژدہ کہ گھنگھور گھٹائیں آئیں
تم پہ رحمت ہوئی، توبہ پہ بلائیں آئیں

آئے دل میں بھی وہ ہمراہ نگہ بانوں کے
برچھیاں تانے ہوئے ساتھ ادائیں آئیں

گو محبت سے مری خاک نہ آیا مجھ کو
اس پہ مرتا ہوں کہ تم کو تو ادائیں آئیں

ناز ہے ان کو کرم پر کہ نہیں جس کا حساب
کس خطاوار کی گنتی میں خطائیں آئیں

کیا بڑی بات تھی باتوں میں اسے بہلانا
نہ گلے آئے زباں پر نہ دُعائیں آئیں

کوے قاتل کی زمیں پر جو رکھا میں نے قدم
آسماں سے مرے ماتم کی صدائیں آئیں

داورِ حشر سے اب تک ہے امیدِ انصاف
کیا کریں گے جو پسند اس کی جفائیں آئیں

اس طرح جاتے ہیں اُس بزم میں دل کے ہاتھوں
کہ بندھے جیسے گنہ گار چلے جاتے ہیں

گرچہ تُو تُو ہیں تغافل کہ نہ جانے کوئی
اُن نگاہوں کے مگر وار چلے جاتے ہیں

ہم نہیں جانتے کچھ دیر و حرم کا رستہ
ہم بے عشق میں سرشار چلے جاتے ہیں

آنکھیں بچھائیں ہم تو عدو کی بھی راہ میں
پر کیا کریں کہ تو ہے ہماری نگاہ میں

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

راتیں مصیبتوں کی جو گزری تھیں آج تک
ماتم کو آئی ہیں مرے روزِ سیاہ میں

اُس توبہ پر ہے ناز تجھے زاہد اس قدر
جو ٹوٹ کر شریک ہو میرے گناہ میں

آتی ہے بات بات مجھے یاد بار بار
کہتا ہوں دوڑ دوڑ کے قاصد سے راہ میں

کیسا نظارہ، کس کا اشارہ، کہاں کی بات
سب کچھ ہے اور کچھ نہیں نیچی نگاہ میں

الٰہی غیر نے کی کون سی وفاداری کہ آج وہ مجھے جھک کر سلام کرتے ہیں
کہاں وہ زہرہ جبیں، داغِ پاک باز کہاں فرشتے پر بھی یہ لوگ اتہام کرتے ہیں

دن ڈھلے آنے کا وعدہ ہے کسی سے لیکن
آج یہ دن وہ قیامت ہے کہ ڈھلتا ہی نہیں

حضرتِ دل! آپ ہیں جس دھیان میں مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں

میرے مرنے کی خبر سُن کر کہا
واقعی کچھ بھی نہیں انسان میں

گر فرشتہ وش ہُوا کوئی تو کیا
آدمیّت چاہیے انسان میں

دل کی قیمت اک نگہ ہے اے صنم
آ گئے جو آئے ترے ایمان میں

جس نے دل کھویا اسی کو کچھ ملا
فائدہ دیکھا اسی نقصان میں

کس نے ملنے کا کیا وعدہ کہ داغؔ
آج ہو تم اور ہی سامان میں

جن کو تم داغؔ بڑا عہد شکن کہتے تھے
لو مبارک ہو وہ پھر قول و قسم کرتے ہیں

گو نہیں بندگی قبول، پر ترا آستاں تو ہے
کعبہ و دیر میں ہے کیا، خاک کوئی اُڑائے کیوں

لاگ ہو یا لگاؤ ہو، کچھ بھی نہ ہو تو کچھ نہیں
بن کے فرشتہ، آدمی بزمِ جہاں میں آئے کیوں

جرأتِ شوق پھر کہاں وقت ہی جب نکل گیا
اب تو ہیں یہ ندامتیں، صبر کیا تھا ہائے کیوں

فکر میں ہم تو رہ گئے اور وہ آج کہہ گئے
عیب نہیں تو رازِ دل ہم سے کوئی چھپائے کیوں

آنکھ پڑتی ہے کہیں، پانوٗ کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر، اپنی خبر کچھ بھی نہیں

دھوم ہے حشر کی سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے
فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں
کعبے جانا بھی تو بت خانے سے ہو کر زاہد
دور اس راہ سے اللہ کا گھر کچھ بھی نہیں
غیر کے وصل کا انکار مزہ دیتا ہے
پھر اسی طرح کہو بارِ دگر، کچھ بھی نہیں

مجھ کو حیرت کا گماں، دل میں تمنّا کا یقیں
نالہ کہتا ہے کچھ اس خانۂ ویراں میں نہیں
جلوۂ ہوش رُبا دیکھ لیا اے موسےٰ!
یاں تحیّر میں وہ لذّت ہے جو عرفاں میں نہیں
رنگِ گل، نغمۂ بلبل، اثرِ بادِ بہار
جب سے ہم قید ہوئے، کوئی گلستاں میں نہیں
خار ہیں بلبل و پروانۂ سرِ بزم و چمن
یہ کھٹکتے ہوئے کانٹے تو بیاباں میں نہیں

کہاں وہ گئے عیش و عشرت کے دن
مصیبت کی راتیں ہیں، آفت کے دن
جوانی کو ترسا کریں خضر آپ
پھریں گے قیامت میں حضرت کے دن

میرے دل سے داغ پوچھے کوئی دہلی کے مزے
لطف تھا دونوں جہاں کا اک جہاں آباد میں

ان سے کہہ دی ہے آرزو دل کی
اب مری بات کا جواب کہاں
رات اور رات بھی جدائی کی
اب نکلتا ہے آفتاب کہاں
بات کرنی جسے نہ آتی ہو
بات سننے کی اس کو تاب کہاں
وعدۂ حشر آپ کرتے ہیں
چار دن بعد یہ شباب کہاں

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں
کرتے ہیں قتل وہ طلبِ مغفرت کے بعد
جو تھے دعا کے ہاتھ وہی امتحاں کے ہیں
جس دن سے کچھ شریک ہوئی میری مشتِ خاک
اُس روز سے زمیں پہ ستم آسماں کے ہیں
ناصح کے سامنے کبھی سچ بولتا نہیں
میری زباں میں رنگ تمھاری زباں کے ہیں
کیا اضطرابِ شوق نے مجھ کو خجل کیا
وہ پوچھتے ہیں کہیے ارادے کہاں کے ہیں
عاشق ترے عدم کو گئے کس قدر تباہ
پوچھا ہر ایک نے یہ مسافر کہاں کے ہیں

ہر چند داغ ایک ہی عیّار ہے مگر
دشمن بھی تو چھٹے ہوئے سارے جہاں کے ہیں

مجھ کو تباہ چشمِ مروّت نے کر دیا
مل جائے تو چُراؤں کسی کی نظر کو میں
میرا طریقِ عشق جدا ہے جہان سے
چلتا ہوں چھوڑ چھوڑ کے ہر رہ گذر کو میں

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں
اڑ گئی یوں وفا زمانے سے
کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں
ہم تو دشمن کو دوست کر لیتے
پر کریں کیا تری خوشی ہی نہیں
ہم تری آرزو پہ جیتے ہیں
یہ نہیں ہے تو زندگی ہی نہیں
دل لگی، دل لگی نہیں ناصح
تیرے دل کو ابھی لگی ہی نہیں
داغ کیوں تم کو بے وفا کہتا
وہ شکایت کا آدمی ہی نہیں

خدا کا خوف نہیں پر بتوں سے ڈرتا ہوں
گناہ گار نہ یہ بے گناہ دیکھتے ہیں
غرض نہیں ہے انھیں طور کی تجلّی سے
جو خوش نصیب تری جلوہ گاہ دیکھتے ہیں

کیوں قسم کھاتے ہو ہم جور سے باز آتے ہیں
ان فریبوں میں کہیں واقفِ راز آتے ہیں

یوں تو آفت ہے ہر انداز پری زادوں کا
وہ قیامت ہیں جنھیں راز و نیاز آتے ہیں

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
اگر نہ آگ لگادوں تو داغ نام نہیں
الہٰی تو نے حسینوں کو کیوں کیا پیدا
کچھ ان کی ذات سے دنیا کا انتظام نہیں
سنائے جاتے ہیں در پردہ گالیاں مجھ کو
جو میں کہوں تو کہیں آپ سے کلام نہیں
دیاد کیا ہے سنے وہ جو آپ کی باتیں
رئیس زادہ ہے، داغ آپ کا غلام نہیں

بنے ہوئے ہیں وہ محفل میں صورتِ تصویر
ہر ایک کو یہ گماں ہے ادھر کو دیکھتے ہیں

بغل میں دل نہیں معشوق ہے اور وہ بھی ہے تم سا
بھرے ہیں قہر کے انداز اس نازوں کے پالے میں
خبر سن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

لباسِ سرخ سے ہوتا ہے کب خونیں کفن کوئی
نچوڑو تو لہو کی بوند تک نکلے نہ لالے میں

رہے گا کوئی تو تیغِ ستم کے یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں
کسی کی نرگسِ مخمور کچھ کہہ دے اشاروں میں
مزا ہے رات دن چلتی رہے پرہیزگاروں میں
بڑھی تمکیں میں کچھ شوخی تو کچھ شوخی میں بے تابی
ہوئے تم اور سے کچھ اور آ کر بے قراروں میں
اجل کا نام لیں، تقدیر کو رو دیں، مجھے کوسیں
مرے قاتل کا چرچا کیوں ہے میرے سوگواروں میں
خفا ہوتے ہو کیوں عہدِ وفا کے ذکر پر، سچ ہے
نہ تم وعدہ خلافوں میں نہ ہم بے اعتباروں میں
غضب ہے، اور بھی اس سادگی پر مر گئے لاکھوں
کہا تھا کس نے بن بیٹھیں وہ میرے سوگواروں میں
جلانا داغؔ کا اچھا نہیں، یہ دم غنیمت ہے
کہ ایسا باوفا اک آدھ نکلے گا ہزاروں میں

کہاں ہے دخترِ رز اے محتسب ہم بادہ خواروں میں
ترے ڈر سے وہ کافر جا چھپی پرہیزگاروں میں

کوئی غنچہ دہن ہنس کر ہمیں کیا اب ہنسائے گا
بہاریں ہم نے لوٹی ہیں بہت اگلی بہاروں میں

خوشی مرگِ عدو کی لاکھ غم سے ہوگئی بد تر
مری آنکھوں نے دیکھا ہے کسی کو سوگواروں میں

حقیقت برق کی کیا ہے، مگر اس سے بھی ڈرتے ہیں
سنبھل کر بیٹھنا جب بیٹھنا تم بے قراروں میں

خدا کے سامنے قسمیں نہ کھانا، دیکھنا ڈرنا
ہمیں تو آپ نے ٹھہرا دیا بے اعتباروں میں

اِنھیں لوگوں کے آنے سے تو مے خانے کی عظمت ہے
قدم لو شیخ کے، تشریف لائے بادہ خواروں میں

دَیر سے کعبے کو ڈرتے ہوئے ہم جاتے ہیں
دیکھ لیتا ہے جو کوئی، وہیں تھم جاتے ہیں
دیکھتے ہی مجھے محفل میں رقیبوں سے کہا
فتنے اُٹھتے ہیں جہاں اِن کے قدم جاتے ہیں
یوں تو دم بھر نہیں آتا اُنھیں شوخی سے قرار
جب تصوّر میں وہ آتے ہیں تو کم جاتے ہیں
مر گیا میں تو کس افسوس سے ظالم نے کہا
ہاتھ آئے ہوئے اندازِ ستم جاتے ہیں
دل کا کیا حال کہوں صبح کو جب اُس بُت نے
لے کر انگڑائی کہا ناز سے: ہم جاتے ہیں

خوفِ عصیاں ہے کہ مُردوں نے کفن پہنا ہے
بھیس بدلے طرفِ ملکِ عدم جاتے ہیں

حضرتِ داغؔ یہ ہے کوچۂ قاتل، اُٹھیے
جس جگہ بیٹھتے ہیں آپ تو جم جاتے ہیں

تیری صورت کو دیکھتا ہوں میں
اس کی قدرت کو دیکھتا ہوں میں

وہ مصیبت سنی نہیں جاتی
جس مصیبت کو دیکھتا ہوں میں

کوئی دشمن کو یوں نہ دیکھے گا
جیسے قسمت کو دیکھتا ہوں میں

کیوں ناامید ہوں، وہ خدا ہے بشر نہیں
فردوس واعظو! کوئی قاروں کا گھر نہیں

آتا ہے مجھ کو یاد، سوالِ وصال پر
کہنا کسی کا ہائے وہ مُنہ پھیر کر نہیں

کیوں کر یقین ہو کہ کیا وعدہ غیر سے
ہم نے سنی ہے مُنہ سے ترے عمر بھر نہیں

میں صبر دے بھی لوں گا دلِ بے قرار کو
ٹھہرے جو ایک پل وہ تمھاری نظر نہیں

بے شک مجھے ہے عشق ترا پر خدا گواہ
جتنا ترے گمان میں ہے اس قدر نہیں

فلک دیتا ہے جن کو عیش، ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقّارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

گِلے شکوے کہاں تک ہوں گے آدھی رات تو گزری
پریشاں تم بھی ہوتے ہو، پریشاں ہم بھی ہوتے ہیں

زمانہ دوستی پر ان حسینوں کی نہ اِترائے
یہ عالمِ دوست اکثر دشمنِ عالم بھی ہوتے ہیں
ہمارے آنسوؤں کی آبداری اور ہی کچھ ہے
کہ یوں ہونے کو روشن گوہرِ شبنم بھی ہوتے ہیں

روح کو چین ہجومِ غمِ دلبر میں نہیں
صاحبِ خانہ کو آرام بھرے گھر میں نہیں
مجھ کو امّید ہے مشکل مری آساں ہوگی
جو رکاوٹ ترے دل میں ہے وہ خنجر میں نہیں
اے غمِ عشق نہ جانا مرے دل سے باہر
ایسے مہماں کی توقیر کسی گھر میں نہیں
کس سے وعدہ ہے، جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو
یہ وہ گردش ہے جو میرے بھی مقدر میں نہیں
آپ کے لطف و عنایت کا بھروسا کیا ہو
کہ گھڑی بھر میں اگر ہے تو گھڑی بھر میں نہیں
غیر کے عیش سے جلتا ہے عبث تو اے داغ
اس کی تقدیر میں ہے، تیرے مقدر میں نہیں

دیدۂ تر نہ بہانا آنسو ڈھونڈتے ہیں یہ بہانا دشمن
دوستی کی نہ رہے پھر امّید کاش! ہو جائے زمانا دشمن
تم سمجھتے ہو اسے یارِ قدیم دل ہے اے داغ پرانا دشمن

چاک ہو پردۂ وحشت، مجھے منظور نہیں
ورنہ یہ ہاتھ گریبان سے کچھ دور نہیں

دل کو ہوتی ہے خبر آپ کہیں یا نہ کہیں
ہم کو معلوم ہے وہ بات، جو مشہور نہیں

لب تک آئی تھی شکایت کہ محبت نے کہا
دیکھ پچھتائے گا، خاموش، یہ دستور نہیں

گلے ملا ہے وہ مستِ شباب برسوں میں
ہُوا ہے دل کو سُرورِ شراب برسوں میں

خدا کرے کہ مزا انتظار کا نہ مِٹے
مرے سوال کا وہ دیں جواب برسوں میں

نگاہِ مست سے اُس کی ہُوا یہ حال مرا
کہ جیسے پی ہو کسی نے شراب برسوں میں

یہ فتنہ آتشِ الفت کا پہنچے گا نہ محشر میں
لگی ہے آپ کے گھر سے، بجھے گی آپ کے گھر میں

چلو کعبے، ملے گی دولتِ وصلِ صنم تم کو
کمی کس چیز کی اے داغؔ ہے اللہ کے گھر میں

ناصحوں سے کلام کون کرے
اپنی ایسوں سے گفتگو ہی نہیں

اس قدر ناز ہے تمھیں گویا
کوئی دنیا میں خوب رو ہی نہیں

جو ترے لطف سے نکل جائے
وہ مرے دل کی آرزو ہی نہیں

ہے وہ صورت پرست بھی دیکھو
فقط آئینہ عیب جو ہی نہیں

یادگارِ داغ

مجھ سیہ کار کو لے جاتے ہیں کیوں دوزخ میں
کس خطا پر یہ جہنّم کو سزا دیتے ہیں

دیکھ اے چشمِ گہر بار ذرا اپنی طرف
دینے والے کہیں کیا گھر کو لٹا دیتے ہیں

دل لگانے میں ذرا لاگ کسی سے تو رہے
ہم تو دشمن کو بھی جینے کی دعا دیتے ہیں

بات کرتے ہیں خوشی کی بھی تو اک رنج کے ساتھ
ہم ہنساتے بھی ہیں ایسا کہ رُلا دیتے ہیں

تم شہرتِ جمال سے کس جا، کہاں نہیں
میں اضطرابِ دل سے جہاں ہوں وہاں نہیں
دنیا میں آدمی کو مصیبت کہاں نہیں
وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

کس طرح جان دینے کے اقرار سے پھروں
میری زبان ہے، یہ تمھاری زباں نہیں
غیروں کا اختراع و تصرّف غلط ہے داغ
اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

موت زندہ چھوڑنے والی نہیں
اس بلا سے کوئی گھر خالی نہیں

ہم نے دیکھی چشمِ نرگس بھی مگر
یوں نشیلی، ایسی متوالی نہیں

ہو گیا خود بیں ہر اک آئینہ گر
یہ ہنر بھی عیب سے خالی نہیں

سیدھے سادے ہیں ابھی پیغامِ شوق
وصل کی، ہم نے بنا ڈالی نہیں

عمر کے دن گزرتے جاتے ہیں
جیتے جی، ہم تو مرتے جاتے ہیں

وہم ان کو گزرتے جاتے ہیں
ہٹتے جاتے ہیں، ڈرتے جاتے ہیں

لڑتی جاتی ہے غیر سے بھی آنکھ
مجھ سے بھی بات کرتے جاتے ہیں

عشقِ پنہاں کا اب خدا حافظ
اشک آنکھوں میں بھرتے جاتے ہیں

مجھ سے ہے بزم میں تغافل بھی
کچھ اشارہ بھی کرتے جاتے ہیں

کرتے جاتے ہیں مے کشی بھی داغؔ
پھر خدا سے بھی ڈرتے جاتے ہیں

سرخ رو دیکھیے کس کس کو کرے گا قاتل
سر سے باندھے ہوئے مقتل میں کفن لاکھوں ہیں

بات وہ بات ہے جو دل میں اثر کر جائے
یوں تو کہنے کے لیے اہلِ سخن لاکھوں ہیں

خواہشِ وصل کا انجام بُرا ہوتا ہے
اس میں ہے ایک خوشی رنج و محن لاکھوں ہیں

داغؔ دلّی سے نکل کر رہے سب کے دل میں
اس غریب الوطنی میں بھی وطن لاکھوں ہیں

ہائے ایک اک خوبصورت عالمِ تصویر تھا
پھر نہ پیدا ہوں گی ایسی مٹنے والی صورتیں

کیا کرے، کیا ہو سکے، کیوں آدمی گھبرا نہ جائے
پیش آتی ہیں محبت میں نرالی صورتیں

جائے گا عذر آپ کا کہ نہیں
اِس نہیں کی بھی ہے دوا کہ نہیں

غیر یوں میرے سامنے بیٹھے
پاس تھا مجھ کو آپ کا کہ نہیں

کیسی پیاری ہیں وصل کی راتیں
ایسی راتوں میں ہے مزا کہ نہیں

بول کر جھوٹ مجھ سے پوچھتے ہیں
آنکھ ملتے ہی دل ملا کہ نہیں

پھر اُسے کوئی لائے گا کہ نہیں
یہ گیا وقت آئے گا کہ نہیں

منتظر روزِ حشر کے ہیں بہت
کبھی وہ دن بھی آئے گا کہ نہیں

رشکِ دشمن کا کیا گِلہ اے داغؔ
جلنے والا جلائے گا کہ نہیں

بگاڑے بگڑتے نہیں حسن والے
یہ بندے خدا کے سنوارے ہوئے ہیں

دل اپنا تجھے دے کے دیں دار و کافر
پشیمان سارے کے سارے ہوئے ہیں

یا صنم بھی کوئی چپکے سے وہاں کہتا ہے
شورِ لبّیک جہاں اہل حرم کرتے ہیں

شکوۂ رنجشِ معشوق بھی کرتے ہیں کبھی
اپنے ہی دل میں پھر انصاف بھی ہم کرتے ہیں

مجھ کو دھڑکا ہے کہیں قطع تعلّق نہ کریں
اب جو ہر بات پہ تکرار وہ کم کرتے ہیں

خوش ہوں میں جب سے سنا ہے وہ ہوئے ہرجائی
میرے گھر دیکھیے کس روز کرم کرتے ہیں

حضرتِ داؔغ کی بھی بات ہے دنیا سے نئی
آپ ہی دیتے ہیں دل آپ ہی غم کرتے ہیں

روز کرتے ہو بہانے تمھیں ہم جانتے ہیں
کوئی جانے کہ نہ جانے تمھیں ہم جانتے ہیں

جھوٹی قسموں کے کہاں تک کوئی دھوکے کھائے
نہیں ایمان ٹھکانے، تمھیں ہم جانتے ہیں

کہیں آنکھوں میں بسے ہو کہیں دل کے اندر
کر لیے خوب ٹھکانے، تمھیں ہم جانتے ہیں

داؔغ کا قصّۂ غم سن کے یہ ظالم نے کہا
یاد ہیں جھوٹے فسانے تمھیں ہم جانتے ہیں

تجھ سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں — اے محبّت ترا جواب نہیں
کب تری بات انتخاب نہیں — اس نہیں کا مگر جواب نہیں
روز مرتا ہوں، روز جیتا ہوں — زندگی کا کوئی حساب نہیں
جزو میں کل کو دیکھتے ہیں ہم — کون سا ذرّہ آفتاب نہیں

آئے بھی ہیں، بیٹھے بھی ہیں، جاتے بھی نہیں ہیں
مجھ پر یہ کرم ان کے دمِ باز پسیں ہیں
اچھا ہے اگر ان کی صفائی نہمیں کردو
کچھ وہم کی باتیں جو مرے ذہن نشیں ہیں
اے بے خودیِ شوق ہماری ہے یہ ہستی
دنیا میں ہیں اس طرح کہ دنیا میں نہیں ہیں

آزاد رہا جب تو رہی خانہ بدوشی
میں ہوں وہ مسافر مری منزل ہے سفر میں
اب داغ کا یہ حال ہے دم جیسے ہو باقی
خورشیدِ لبِ بام میں یا شمعِ سحر میں

اے زندگی اجل بھی تو امیدوار ہے
گزری ہے ایک عمر اسے انتظار میں

کعبے جاتے ہیں تو یہ دھڑکا ہے
ہم نہ پہنچیں خدا کے پاس کہیں
دل کے گوشوں میں دونوں مہماں ہیں
آرزو ہے کہیں تو یاس کہیں
قطرہ قطرہ پلا نہ اے ساقی
اوس سے بھی بجھی ہے پیاس کہیں

تم لاکھ مجھ سے پردہ کرو جلوہ گاہ میں
صورت یہ کہہ رہی ہے کہ میں ہوں نگاہ میں
سچ ہے یہاں کہاں ہو جو دو بات کا جواب
تم ہو کسی کے دل میں، کسی کی نگاہ میں

چلیے خلوت ہی میں کچھ باتیں ہوں　　آپ محفل میں تو شرماتے ہیں

دل مرا رات سے نہیں ملتا　　تم کو بھی کچھ پتا لگا کہ نہیں

وعدہ کرنے کی تم کو عادت ہے　　مجھ کو وعدے کا اعتبار نہیں

یہ تو کہیے اس خطا کی کیا سزا　　میں جو کہہ دوں آپ پر مرتا ہوں میں
جو سُنا ہے میں نے چرچا آپ کا　　آپ سے کہتے ہوئے ڈرتا ہوں میں

آفتابِ داغ

(۹)

کیا لطفِ انتظار جو تو حیلہ جو نہ ہو　　کس کام کا وصال اگر آرزو نہ ہو
زاہد مزا تو جب ہے عذاب و ثواب کا　　دوزخ میں بادہ کش نہ ہوں جنّت میں تو نہ ہو
دستِ دعا کو ملتی ہے تاثیر عرش سے　　جو ہاتھ سے ہو پانو سے وہ جستجو نہ ہو

بات کا زخم ہے تلوار کے زخموں سے سوا　　کیجیے قتل مگر مُنہ سے کچھ ارشاد نہ ہو
ہائے وہ دل، وہ کلیجہ میں کہاں سے لاؤں　　وصل میں شاد نہ ہو، ہجر میں ناشاد نہ ہو

جور کے بعد ہے اب حرفِ تسلّی کیسا — اس سے فرمائیے جس کو وہ گھڑی یاد نہ ہو
محوِ آرائش و زینت ہی رہے آٹھ پہر — تجھ کو اللہ کرے فرصتِ بیداد نہ ہو
آدمی وہ ہے جو چتون کا اشارا سمجھے — مجھ کو معلوم ہوا، مُنہ سے کچھ ارشاد نہ ہو
ہے مرے دل کی تباہی پہ تعجب، کیا خوب — آپ برباد کریں جس کو وہ برباد نہ ہو

تم کو چاہا تو خطا کیا ہے، بتا دو مجھ کو — دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھ کو
اب خدا چاہے تو میں تم کو نہ چاہوں ہرگز — پھر یہ تقصیر ہو مجھ سے تو سزا دو مجھ کو
مجھ کو ملتا ہی نہیں مہر و محبت کا نشاں — تم نے دیکھا ہو کسی میں تو بتا دو مجھ کو
ہمدمو! ان سے میں کہہ جاؤں گا حالت دل کی — دو گھڑی کے لیے دیوانہ بنا دو مجھ کو

کل تک تو آشنا تھے مگر آج غیر ہو — دو دن میں یہ مزاج ہے، آگے کی خیر ہو
کیسا وصال، کس کی تسلّی، کہاں کا لطف — کچھ ہو نہ ہو بلا سے مرے دل کی خیر ہو
دلّی میں پھول والوں کا میلا پھر آئے داغ — بن ٹھن کے آئے وہ تو قیامت کی سیر ہو

ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک نہ توجّہ ہو گی — کوئی دن تذکرۂ اہلِ وفا ہونے دو
میری آنکھوں پہ، مرے مُنہ پہ نہ تم رکھو ہاتھ — حرفِ مطلب کسی صورت سے ادا ہونے دو

میری تقدیر بہ کثرت مجھے دلوائے گی — دل تمھارا جو کہے گا، اِسے غم ایک نہ دو
داغ دلّی تھی کسی وقت میں یا جنّت تھی — سیکڑوں گھر تھے وہاں رشکِ ارم ایک نہ دو

پچھتاؤ گے بہت مرے دل کو اجاڑ کر
اس گھر میں اور کون ہے مہماں، تمھیں تو ہو

اک روز رنگ لائیں گی یہ مہربانیاں
ہم جانتے تھے جان کے خواہاں، تمھیں تو ہو

کرتے ہو داغؔ دور سے بت خانے کو سلام
اپنی طرح کے ایک مسلماں تمھیں تو ہو

ماہتابِ داغؔ

تو مجھ پہ شیفتہ ہو، مجھے اجتناب ہو
یہ انقلاب ہو تو بڑا انقلاب ہو

عاشق کی ایک حال میں گزرے تو لطف کیا
دل کو کبھی سکوں ہو، کبھی اضطراب ہو

میں بوالہوس نہیں جو سزاوارِ لطف ہوں
میرے زہے نصیب. جو مجھ پہ عتاب ہو

ہے تاک میں دزدیدہ نظر، دیکھیے کیا ہو!
پھر دیکھ لیا، اُس نے اِدھر، دیکھیے کیا ہو

بھیجا ہے خطِ شوق اُسے، دل نے نہ مانا
اب فکر ہے یہ آٹھ پہر، دیکھیے کیا ہو

دل جب سے لگایا ہے کہیں جی نہیں لگتا
کس طرح سے ہوتی ہے بسر، دیکھیے کیا ہو

اندیشۂ فردا میں عبث جان گھلائیں
ہے آج کسے کل کی خبر، دیکھیے کیا ہو

زاہد کو بڑا ناز ہے، مے کش کو بڑا عجز
اللہ کو مقبول مگر دیکھیے کیا ہو

پھر پاس مشاقی ہے مرے دل کی تمنا
بن بن کے بگڑتا ہے یہ گھر، دیکھیے کیا ہو

گھلتی ہے جان ایک ہی دشمن کی فکر میں
یارب! شریکِ حالِ عدو آسماں نہ ہو

سارا جہان، جان کو کہتا ہے بے وفا
مجھ کو یہ فکر ہے کہ تمھیں جانِ جہاں نہ ہو

اندازِ جاں دہی نہیں آتا ابھی مجھے
مٹی مری خراب دمِ امتحاں نہ ہو

پوچھیں وہ جب خوشی سے قیامت کی بات ہے
میرا ہی حال اور مجھی سے بیاں نہ ہو

یارب! پسِ فنا بھی رہے شرمِ بے کسی
یہ مشتِ خاک گردِ رہِ کارواں نہ ہو

آفت کی تاک جھانک، قیامت کی شوخیاں
پھر چاہتے ہو ہم سے کوئی بدگماں نہ ہو

واعظ، بجا ہے کہیے جو ویرانے کو بہشت
جنّت اسی کا نام ہے آدم جہاں نہ ہو

اب اس نگاہِ شرم میں وہ شوخیاں کہاں
وہ تیغ کیا چلے گی جو برسوں رواں نہ ہو

خمارے سے یوں وقتِ سحر بگڑا مزاج اپنا
کسی نے رات بھر جیسے پریشاں خواب دیکھا ہو

کلیجے سے لگا لیتا ہوں برگِ لالہ و گل کو
عجب کیا ہے اگر یہ بھی کسی کے دل کا ٹکڑا ہو

لڑیں گے آپ حوروں سے ملیں گے آپ غیروں سے
مجھے ڈر ہے کہ جنّت میں کوئی فتنہ نہ برپا ہو

جعل سازوں نے بنایا ہے شکایت نامہ
کیوں خفا آپ ہوئے، یہ مری تحریر بھی ہو

لڑ پڑے غیر سے کیا؟ خیر ہے کیسا ہے مزاج
تم جو چپ چپ بھی ہو مضطر بھی ہو دل گیر بھی ہو

وصل کا خواب سناتے ہیں تمھیں، یہ سن لو
خواب جس طرح کا ہے ویسی ہی تعبیر بھی ہو

گلزارِ داغ

کل تک اس کی تلاش تھی لیکن
آج ہے اپنی جستجو مجھ کو

واں شکایت یہ وہ حکایت ہے
کہ نہیں جائے گفتگو مجھ کو

یہ کہاں کہ بیٹھو ہزار میں انھیں شرم آتی تھی چار میں
یہ تو دو ہی دن کا ہے ماجرا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو داغِ سحر بیاں رہا، کہ شناگر اس کا جہاں رہا
کوئی شعر اس کا برا بھلا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

عرصۂ حشر میں اللہ کرے گُم مجھ کو — اور پھر ڈھونڈھتے گھبرائے ہوئے تم مجھ کو
میں بھی حیران ہوں اے داغ کہ یہ بات ہے کیا — وعدہ وہ کرتے ہیں آتا ہے تبسّم مجھ کو

اس تمنّا سے مرے در پئے آزار نہ ہو — کہ مجھے ہو یہ گماں چاہتے ہو تُم مجھ کو
کیوں گنہ لیتے ہیں تھوڑی سی پلانے والے — کل ملے کوثر اُسے، آج جو دے خُم مجھ کو
دیکھنا پیرِ مغاں، حضرتِ زاہد تو نہیں — کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پسِ خم مجھ کو

اللہ رے تلوّن، ابھی کیا تھے ابھی کیا ہو — شوخی ہو تو شوخی ہو، حیا ہو تو حیا ہو
محشر میں اُسی بت کا طرف دار خدا ہو — جنّت سے بدل جائے جہنّم تو مزا ہو

فریادِ جگر، نغمہ نے، نالۂ بلبل — دل کش ہو، کسی طرح کی ہو، کوئی صدا ہو
نیرنگیِ خونِ شہدا دیکھ تو قاتل! — پانی ہو بہائے سے، لگائے سے حنا ہو
دعویٰ مجھے دل پر ہے، زباں پر ہے تمھیں ناز — یہ شرط ٹھہر جائے کہ جھوٹے کو سزا ہو
تعریف نے کوثر کی مجھے خوب پلائی — کیا بات ہے واعظ، تری عقبیٰ کا بھلا ہو
بے وجہ چھپایا نہیں قاصد نے خط ان کا — ایسا نہ ہو کم بخت کی مُٹھی میں قضا ہو
کیا توبہ کروں عشق سے اے حضرتِ ناصح — ڈرتا ہوں کہ یہ بھی نہ شبِ غم کی دعا ہو
اس دل سے مجھے لاگ ہے، بے مہر تو میں ہوں — تم شانِ وفا، کانِ وفا، جانِ وفا ہو

کیوں داغ کا نام آتے ہی نفرت ہوئی تم کو
اک شخص ہے وہ، تم اسے سمجھے ہوئے کیا ہو

رنجش مری بڑھ کر ہے تمھاری خفگی سے
میں جان سے بیزار ہوں تم مجھ سے خفا ہو

مطرب سے کہو ان کو سنائے، وہ سنیں گے
جس ساز میں اک ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہو

اس بت سے بگاڑے نہ بن آئے گی تمھیں داغ
کیا پیش چلے جس کا طرف دار خدا ہو

کیا خود وعدہ، عیاری تو دیکھو
دل آزاروں کی دل داری تو دیکھو

بنالیں شرم آلودہ نگاہیں
تغافل میں یہ ہشیاری تو دیکھو

نہ عاشق کا نہ یہ معشوق کا دوست
فلک کی تم ستم گاری تو دیکھو

آتی ہے کوے یار سے مستانہ کس قدر
کیا لڑ کھڑائے جاتے ہیں بادِ سحر کے پانو

جو دل قابو میں ہو تو کوئی رسوائے جہاں کیوں ہو
خلش کیوں ہو، تپش کیوں ہو، قلق کیوں ہو، فغاں کیوں ہو

مزا آتا نہیں تھم تھم کے ہم کو رنج و راحت کا
خوشی ہو، غم ہو، جو کچھ ہو الٰہی، ناگہاں کیوں ہو

یہ مصرع لکھ دیا ظالم نے میری لوحِ تربت پر
جو ہو فرقت کی بے تابی تو یوں خوابِ گراں کیوں ہو

ہمیشہ آدمی کا آدمی غم خوار ہوتا ہے
یہی بے اعتباری ہو تو کوئی رازداں کیوں ہو

خدا شاہد، خدا شاہد ہے، کیوں کہتے ہو وعدوں پر
خدا کو کیا غرض، میرے تمھارے درمیاں کیوں ہو

نویدِ جاں فزا ہے کیا خبر قاتل کے آنے کی
بتاؤ تو سہی تم داغؔ ایسے شادماں کیوں ہو

یادگارِ داغؔ

غیر کے ساتھ مرے قتل کا ساماں کیوں ہو
جو اٹھائے نہ اٹھے مجھ سے وہ احساں کیوں ہو
واقعی آپ اِدھر بھولے سے آنکلے تھے
جس کو رہنا نہ ہو منظور وہ مہماں کیوں ہو
یہ بھی منظور نہیں اس کو ہو چاہت میری
آرزو مجھ کو جو ہے وہ اسے ارماں کیوں ہو
داغؔ کو تم سے مری جان یہ امید نہ تھی
جھوٹے مُنہ بھی تو نہ پوچھا کہ پریشاں کیوں ہو

یہ کیا کہا کہ ہم نہیں کہتے تجھے بُرا
کس کس سے کہہ چکے ہو، تم ایمان سے کہو
تن تن کے آئنے سے کہی ہے جو تم نے بات
مجھ سے بھی اُس ادا سے اسی شان سے کہو
جس آرزو سے ہم نے کہا حرفِ مدّعا
تم بھی خدا کرے اُسی ارمان سے کہو
مشرب تمھارا عشق ہے، ہم جانتے ہیں داغؔ
کافر سے تم کہو نہ مسلمان سے کہو

چُھٹے جب ساتھ ایسے شخص کا کیوں کر نہ حیرت ہو
بہت مُڑ مُڑ کے دیکھا کی مری عمرِ رواں مجھ کو

ماہتابِ داغ

ہ

کیوں کرتے ہو دنیا کی ہر اک بات سے توبہ
منظور تو ہے میری ملاقات سے توبہ

وہ آئی گھٹا جھوم کے للچانے لگا دل
واعظ کو بلاؤ کہ چلی ہات سے توبہ

کیا لطفِ وصل ہے جو دوبارہ نہ ہو نصیب
دونا جو اضطراب ہو، کیا اس سے فائدہ

گر دل ملے تو آنکھ ملانے کا لطف ہے
کیوں شکوۂ حجاب ہو، کیا اس سے فائدہ

چلتا ہے ساتھ ایک مسافر کے دوسرا
اے کاش آرزو بھی نکل جائے دم کے ساتھ

عادت بھی ہے دروغ کی، خوفِ خدا بھی ہے
وہ کانپ کانپ جاتے ہیں جھوٹی قسم کے ساتھ

کیا جور کا مزا ہے اگر آسماں نہ ہو
جو بات جس کی ہے وہ اسی کے ہے دم کے ساتھ

سیدھی طرح کبھی نہیں رہتی تمھاری زلف
کرتی ہے بانکپن یہ بڑے پیچ و خم کے ساتھ

افسوس اس زمانے میں وہ چیز ہی نہیں
دل کو ملا کے دیکھتے ہم جامِ جم کے ساتھ

مانندِ طور بام پہ دیکھا تو کچھ نہ کچھ
بجلی تھی یا چھلاوا، مگر تھا تو کچھ نہ کچھ

قاصد کی چال اور ہے، تیور کچھ اور ہیں
اچھا برا جواب یہ لایا تو کچھ نہ کچھ

رشکِ پری انھیں جو کہا یہ ملا جواب
جب ہم پری ہیں کیا ہمیں آدم سے واسطہ

گلزارِ داغ

جلوۂ یار نے دو رنگ دکھائے اپنے
ایک ظاہر میں تو ہے، کافر و دیں دار کی آنکھ

دل چرایا ہے وہ اب آنکھ ملائیں کیوں کر
سامنے ہوتی ہے مشکل سے گنہ گار کی آنکھ

ٹپکی پڑتی ہے نگہ سے تری الفت اے داغؔ
کوئی چھپتی ہے محبت کی نظر، پیار کی آنکھ

یاں تو نباہے جاتے ہیں عشقِ بتاں کے ساتھ
زاہد بنیڑ لیں گے وہاں کی وہاں کے ساتھ

پھونکا نہ دام کو نہ جلایا قفس مرا
بجلی کی تیزیاں تھیں فقط آشیاں کے ساتھ

مانا کہ وہ ہیں گھر ہی میں اپنے مگر یہاں
سو جستجو ہیں روز دلِ بدگماں کے ساتھ

اے عشق باز آئے رفاقت سے تیری ہم
تو بھی کہیں روانہ ہو عمرِ رواں کے ساتھ

مٹتی نہیں ہے خانہ خرابی کسی طرح
کیا میری بے کسی بھی بنی تھی مکاں کے ساتھ

اقرارِ حشر اے دلِ مضطر غلط نہ جان
تھوڑا یقیں بھی چاہیے وہم و گماں کے ساتھ

اپنے مذہب میں ہے برسوں کی عبادت سے فزوں
گزرے جو کوئی گھڑی رندِ خوش اوقات کے ساتھ

زنداں سے بیاباں میں تو اٹھ ہوئی بڑھ کر
کانٹوں نے لیے میرے قدم اور زیادہ

نہیں ہوتی بندے سے طاعت زیادہ
بس اب خانہ آباد، دولت زیادہ

محبت میں سو لطف دیکھے ہیں لیکن
مزا دے گئی ہے شکایت زیادہ

الٰہی زمانے کو کیا ہو گیا ہے
محبت تو کم ہے عداوت زیادہ

عدم سے سب آئے ہیں یاں چار دن کو
نہیں ہوتی منظور رخصت زیادہ

مری بندگی سے مرے جرم افزوں
ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ
حیا اس کی آنکھوں میں کیوں کر ہو یارب
کہ شوخی سے بھی ہے شرارت زیادہ
بہکتے نہ تھے داغؔ یوں گفتگو میں
مگر پی گئے آج حضرت زیادہ

یادگارِ داغؔ

ذکرِ یوسفؑ سنتے ہی کیا جانے کیا آیا خیال
ہاتھ میں اس نے اٹھایا مسکرا کر آئنہ
ایک صورت ہے جو نبھ جائے تو یہ اچھی ہے فال
آؤ دیکھیں ہم بھی تم بھی آج مل کر آئنہ
ذکرِ مے سے کس قدر آتی ہے سرخی رنگ پر
حضرتِ واعظ رکھیں بالائے منبر آئنہ

آفتابِ داغؔ

ی

جفا پر وفا تو کروں، سوچ لو
تمھیں مجھ سے الفت اگر ہو گئی؟
نگاہِ ستم میں کچھ ایجاد ہو
کہ یہ تو پرانی نظر ہو گئی
شبِ وصل ایسی کھلی چاندنی
وہ گھبرا کے بولے: سحر ہو گئی
کہو، کیا کرو گے، مرے وصل کی
جو مشہور جھوٹی خبر ہو گئی

اس سے کیا خاک ہمنشیں بنتی
بات بگڑی ہوئی نہیں بنتی
آدمی سب فرشتے بن جاتے
آسماں پر اگر زمیں بنتی

میری صورت بنی تو خاک بنی قسمت اے صورت آفریں بنتی
تونے ایسے بگاڑ ڈالے ہیں ایک کی ایک سے نہیں بنتی
بزمِ دنیا تھی قابلِ جنّت خوب بنتی اگر یہیں بنتی

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے
مری جاں! چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے
مثالِ گنجِ قاروں اہلِ حاجت سے نہیں چھپتا
جو ہوتا ہے سخی وہ ڈھونڈ کر سائل سے ملتا ہے
جواب اس بات کا اُس شوخ کو کیا دے سکے کوئی
جو دل لے کر کہے، کم بخت، تو کس دل سے ملتا ہے

سب سے تم اچھے ہو، تم سے مری قسمت اچھی
یہی کم بخت دکھا دیتی ہے صورت اچھی
حسنِ معشوق سے بھی حسنِ سخن ہے کم یاب
ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی
ہر طرح دل کا ضرر جان کا نقصاں دیکھا
نہ محبت تری اچھی، نہ عداوت اچھی
عیب بھی اپنے بیاں کرنے لگے آخر کار
ہو گئی ان کو بُرا کہنے کی عادت اچھی
تم بتاؤ تو سہی مہر و محبت کے گواہ
ایسے دعوے میں تو جھوٹی ہی شہادت اچھی

یہ جو ہے حکم مرے پاس نہ آئے کوئی
اس لیے روٹھ رہے ہیں کہ منائے کوئی

یہ نہ پوچھو کہ غمِ ہجر میں کیسی گزری
دل دکھانے کا اگر ہو تو دکھائے کوئی

ترکِ بے داد کی تم داد نہ چاہو مجھ سے
کرکے احسان نہ احسان جتائے کوئی

حال افلاک و زمیں کا جو بتایا ہے تو کیا
بات وہ ہے، جو ترے دل کی بتائے کوئی

آپ نے داغؔ کو مُنہ بھی نہ لگایا افسوس
اس کو رکھتا تھا کلیجے سے لگائے کوئی

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے
ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے

حور کی خواہش پہ یہ طعنے ملے
واہ! کیا نیّت ہے، کیا اوقات ہے

تونے قاصد، جو کہی دل کو لگی
یہ اسی کافر کے مُنہ کی بات ہے

داغؔ سے جاکر ملے تھے ہم بھی آج
آدمی خوش وضع، خوش اوقات ہے

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے
اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے

مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا
نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

ابھی سن ہی کیا ہے جو بے باکیاں ہوں
اُٹھیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے

چلے آتے ہیں دل میں ارمان لاکھوں
مکاں بھر گیا میہماں آتے آتے

سنانے کے قابل تھی جو بات ان کو
وہی رہ گئی درمیاں آتے آتے

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اُڑ گئے آندھیاں آتے آتے

بنا ہے ہمیشہ یہ دل باغ و صحرا
بہار آتے آتے خزاں آتے آتے

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

مل گئی بے خودیِ شوق میں راحت کیسی
ہو گئی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی

بندہ چاہے جو خدائی، کوئی مل سکتی ہے
لوگ قسمت کو لیے پھرتے ہیں، قسمت کیسی

جورِ معشوق کی پرسش ہی نہیں دنیا میں
اپنے بندے سے خدا کو ہے محبت کیسی

حور سے بحث نہیں ہاں یہ بتا اے زاہد
لاکھ دو لاکھ میں ہو ایک، وہ صورت کیسی

خواب میں بھی جو بُرا اس نے کہا سب نے سنا
جلد ہوتی ہے بری بات کی شہرت کیسی

آپ ہی جور کریں، آپ ہی پوچھیں مجھ سے
یہ تو فرمایئے، ہے آج طبیعت کیسی ؟

تھے کہاں رات کو، آیئنہ تو لے کر دیکھو
اور ہوتی ہے خطاوار کی صورت کیسی

چھیڑ ہر وقت کی اچھی نہیں، یہ یاد رہے
کبھی کیسی ہے، کبھی اپنی طبیعت کیسی

دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی اے داغ
بندہ پرور ! یہ محبت میں حکومت کیسی

ہر دل میں نئے درد سے ہے یاد کسی کی
ملتی نہیں فریاد سے فریاد کسی کی

آرام طلب ہوں کرمِ عام کے طالب
یوں مفت میں لٹتی نہیں بے داد کسی کی

دل تھامے ہوئے پھرتے ہیں سب گبر و مسلماں
کیا یاد ہے، کیا یاد ہے، کیا یاد کسی کی

بڑھتی ہے محبت کی اسیری میں اسیری
پوری نہیں ہوتی کبھی میعاد کسی کی
کیا عیش بھلائے گا یہ آزار یہ تکلیف
جنت میں بھی یاد آئے گی بیداد کسی کی
کم بخت وہی داغؔ نہ ہو، دیکھو تو کوئی
بےچین کیے دیتی ہے فریاد کسی کی

اس کے در تک کسے رسائی ہے
وہی جائے گا جس کی آئی ہے
اے لبِ یار! تجھ کو میری قسم
کبھی سچّی قسم بھی کھائی ہے

اخفائے رازِ عشق کی عادت بھی ہے بُری
ہم نے ہمیشہ حال چھپایا طبیب سے
دشمن بنائے ہیں مری قسمت نے سیکڑوں
چاہا ہے تجھ کو خلق نے میرے نصیب سے
مانندِ برق، مثلِ ہوا، صورتِ نگاہ
اکثر نکل گئے ہیں وہ میرے قریب سے

درد بن کر دل میں آنا، کوئی تم سے سیکھ جائے
جانِ عاشق ہو کے جانا، کوئی تم سے سیکھ جائے
ہر سخن پر روٹھ جانا، کوئی تم سے سیکھ جائے
روٹھ کر پھر مسکرانا، کوئی تم سے سیکھ جائے
وصل کی شب چشمِ خواب آلودہ کو ملتے اٹھے
سوتے فتنے کو جگانا، کوئی تم سے سیکھ جائے
دیکھ کر آئینہ اترائے کہ ہم بھی کوئی ہیں
اپنی نظروں میں سمانا، کوئی تم سے سیکھ جائے

اک نگاہِ لطف پر لاکھوں دعائیں مل گئیں
عمر کا اپنی بڑھانا، کوئی تم سے سیکھ جائے

کیا سکھائے گا زمانے کو فلک طرزِ جفا
اب تمھارا ہے زمانا، کوئی تم سے سیکھ جائے

ہے تغافل میں بھی دزدیدہ نظر سے تاک جھانک
چور کو رستہ بتانا، کوئی تم سے سیکھ جائے

ہر گنہ سے توبہ کر لی جب جوانی ہو چکی
زاہدو جنّت میں جانا، کوئی تم سے سیکھ جائے

لو دیکھتے ہی غیر کو چتون بدل گئی
آنکھوں کو دیکھیے تو اشارا ہی اور ہے

آئے تو کیا کہ پھر وہ کوئی دم میں جائیں گے
کم جس قدر ہوا ہے غم اتنا ہی اور ہے

دیکھے جو تیرے قد کو قیامت تو یہ کہے
سج دھج ہی اور ہے یہ سراپا ہی اور ہے

جب اہلِ حشر سے نہ ملی میری واردات
سب نے کہا، سنو تو یہ جھگڑا ہی اور ہے

کیسا نیاز، کس کی وفا، کس کی عاشقی
تم جانتے نہیں مجھے دعوا ہی اور ہے

نکل جائے یہ حسرت وہ نہیں ہے
بدل جائے یہ قسمت وہ نہیں ہے

پکارا دیکھ کر میں حور کی شکل
خداوندا! یہ صورت وہ نہیں ہے

گئی محفل کی رونق داغ کے ساتھ
وہی دم تھا غنیمت، وہ نہیں ہے

مرا دیں مان رہا ہوں قضا کے آنے کی
بُری گھڑی تھی دلِ مبتلا کے آنے کی

شبِ وصال نہ ٹھہرے حیا کے آنے کی
کہ پھر کبھی نہیں یہ رات جا کے آنے کی
ابھی تو کھیل ہیں اے داغؔ شوخیاں ان کی
پھر آرزوئیں کرو گے حیا کے آنے کی

دنیا میں کوئی لطف کرے یا جفا کرے
جب میں نہیں، بلا سے مری کچھ ہُوا کرے
کیوں اے ستم شعار! وہ کہنا بھی یاد ہے
تجھ سے دغا کرے تو خدا سے دغا کرے

پیامی کامیاب آئے نہ آئے
خدا جانے جواب آئے نہ آئے
ترے غمزوں کو اپنے کام سے کام
کسی کے دل کو تاب آئے نہ آئے
اسے شرمائیں گے ذکرِ عدو پر
یہ قسمت ہے حجاب آئے نہ آئے
تم آؤ جب سوارِ توسنِ ناز
قیامت ہم رکاب آئے نہ آئے
نہ دیکھو داغؔ کا دیوان دیکھو!
سمجھ میں یہ کتاب آئے نہ آئے

بعدِ مردن بھی خیالِ رخِ قاتل ہے وہی
جس سے ہم آنکھ چراتے تھے مقابل ہے وہی
عشق کا کوئی نتیجہ نہیں جز دردو الم
لاکھ تدبیر کیا کیجیے، حاصل ہے وہی
خضر سے پوچھے کوئی عمرِ ابد کی تکلیف
زندگی نام ہے جس چیز کا، قاتل ہے وہی
مر گئے خسرو و جمشید سے مے کش لاکھوں
رونقِ ساغر و آرائشِ محفل ہے وہی

رشکِ اغیار نے کیا وہم میں ڈالا مجھ کو
وہ ہیں پہلو میں پر اندیشۂ باطل ہے وہی

مانگے جائیں گے دعا ہو گی نہ کب تک مقبول
بے لیے جو کبھی ٹلتا نہ ہو سائل ہے وہی

دیکھ کر مجمعِ اغیار یہ ان سے پوچھا
ہم جہاں رہتے تھے دن رات یہ محفل ہے وہی

کام دنیا میں نکلتا نہیں آسانی سے
جس کو ہم سہل سمجھ لیتے ہیں مشکل ہے وہی

نام پاتے ہیں محبّت میں جو مٹ جاتے ہیں
جس کے ہونے کا گماں بھی نہ رہے دل ہے وہی

کیا بتوں کی سی نہ حوروں میں ادائیں ہوں گی
آدمی کے لیے جنّت میں بھی مشکل ہے وہی

جو کہے داغِ سیہ مست وہ لکھ لو دل پر
اس خرابات میں اک مرشدِ کامل ہے وہی

خوب رو وہ جسے زمانہ کہے　　گفتگو وہ جسے زمانہ سنے
ہجر میں جو دعائیں مانگی ہیں　　کوئی اللہ کے سوا نہ سنے

حشر کے دن بھی ہو شرحِ غم تمھارے سامنے　　سب خدا کے سامنے ہوں، ہم تمھارے سامنے
رو برو میرے بٹھایا جس طرح سے غیر کو　　ہو یونہی اک فتنۂ عالم تمھارے سامنے
بعد میرے روئے گا سارا زمانہ دیکھنا　　دھوم سے ہوگا مرا ماتم تمھارے سامنے

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرمِ الفت بخش دو
لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمھارے سامنے
اک تمھاری چپ میں تئو اعجاز دیکھے اے بتو!
چپ کھڑے ہیں عیسیٰؑ مریم تمھارے سامنے
حالِ دل میں کچھ نہ ہو تاثیر، یہ ممکن نہیں
کوئی اتنا ہو، کہے ہر دم تمھارے سامنے

غیر کے آگے تو کی ہوگی برائی کس قدر
میرے مُنہ پر بارہا میری شکایت ہو چکی

یہ تری چشمِ فسوں گر میں کمال اچھّا ہے
ایک کا حال بُرا، ایک کا حال اچھّا ہے
فکر ہے داورِ محشر نہ توجہ سے سُنے
غیر کے نامۂ اعمال میں حال اچھّا ہے
مول لے لیتے ہیں خود رنج شبِ وصل میں ہم
کثرتِ عیش میں تھوڑا سا ملال اچھّا ہے
ننگِ ہمّت ہے اگر دولتِ کونین ملے
جو نہ پورا ہو کسی سے وہ سوال اچھّا ہے
وہ عیادت کو مری آتے ہیں، لو اور سنو
آج ہی خوبیِ تقدیر سے حال اچھّا ہے

غیر کے نام سے پیغامِ وصال اچھّا ہے
چھیڑ کا جس میں مزا ہو وہ سوال اچھّا ہے
صلح دشمن سے بھی کر لیں گے تری خاطر سے
جس طرح سے ہو غرض رفعِ ملال اچھّا ہے
لوگ کہتے ہیں بھلائی کا زمانہ نہ رہا
یہ بھی کہہ دیں کہ برائی کا مآل اچھّا ہے

دیکھنے والوں کی حالت نہیں دیکھی جاتی
جو نہ دیکھے وہی مشتاقِ جمال اچھا ہے
آپ پچتائیں نہیں، جور سے توبہ نہ کریں
آپ گھبرائیں نہیں داغ کا حال اچھا ہے

بیٹھے اداس، اٹھے پریشاں، خفا چلے
پوچھے تو کوئی آپ سے کیا آئے کیا چلے
آئیں گی ٹوٹ ٹوٹ کے قاصد پہ آفتیں
غافل اِدھر اُدھر بھی ذرا دیکھتا چلے
افسانۂ رقیب بھی لو بے اثر ہوا
بگڑے جو سچ کہے سے وہاں جھوٹ کیا چلے

غیر کا شکوہ بھی ہوتا ہے تو کس لطف کے ساتھ
ان سے تعریف کا عنوان کہاں جاتا ہے
باغِ فردوس میں حوروں نے بھی دل لوٹ لیا
جو ہے تقدیر کا نقصان، کہاں جاتا ہے
ہجر کے دن کی مصیبت تو گزر جائے گی
وصل کی رات کا احسان کہاں جاتا ہے
بند کرتے ہو جو ہاتھوں سے تم آنکھیں میری
کیا کہوں میں کہ مرا دھیان کہاں جاتا ہے
آرزو وصل کی ہوتی ہے سوا بعدِ وصال
جان جاتی ہے یہ ارمان کہاں جاتا ہے

کچھ وہ سرگرمِ سخن نامِ خدا ہونے لگے
اب خدا چاہے تو مطلب بھی ادا ہونے لگے
وہ نگہ زاہد کے دل سے آشنا ہونے لگے
سیر تو جب ہے کہ دونوں میں ذرا ہونے لگے

سلب کرے یا الٰہی آسماں کا اختیار
جب کسی معشوق سے عہدِ وفا ہونے لگے

شکوۂ آزردگی سن کر کہا تو یہ کہا
کیا غرض، کیا واسطہ، ہم کیوں خفا ہونے لگے

میہمانوں کو بلاتے ہیں خوشی کے واسطے
تم تو آتے ہی بگڑ بیٹھے، خفا ہونے لگے

غیر اچھا، میں برا، یوں ہی سہی، بس چپ رہو
رفتہ رفتہ یہ نہ ہو محبّت رسوا ہونے لگے

داغ نہیں پرچا ہی لوں گا باتوں باتوں میں انھیں
شرط یہ ہے میرا ان کا سامنا ہونے لگے

تیرا غصّہ کہ ہو میری طبیعت ظالم !
یہ بلائیں نہیں آتیں کبھی ٹلنے کے لیے

چھیڑ کر تذکرۂ غیر کہیں کیا تجھ سے
جو مزے ہم نے تری آنکھ بدلنے کے لیے

آتشِ رشکِ عدو خاک کرے گی ہم کو
لاگ کی آگ بری ہوتی ہے جلنے کے لیے

ابر کیا سبز کرے مجھ شجرِ سوختہ کو
آبِ حیواں ہو مرے پھولنے پھلنے کے لیے

چارہ گر زندہ رہے گا تو کرے گا تدبیر
چاہیے عمرِ خضر میرے سنبھلنے کے لیے

غم کی دیوار کھڑی ہو گئی دل کے اندر
میرے ارمان ترستے ہیں نکلنے کے لیے

بزمِ اغیار میں تم چھپ کے نہ بیٹھو اے داغ
چاند چھپنے کے لیے ہے کہ نکلنے کے لیے

طور کے پہلو میں اک بت خانہ ایسا چاہیے
شور اٹھے جلوۂ جانانہ ایسا چاہیے

عشق میں اے ہمتِ مردانہ ایسا چاہیے
یہ کہے اپنا ہو یا بیگانہ، ایسا چاہیے

دیکھنا کس لطف سے کہتا ہوں اپنی واردات
داورِ محشر سنے، افسانہ ایسا چاہیے

دلربا کہلائے دل آزار ایسا ڈھونڈیے
آشنا کہیے جسے بیگانہ ایسا چاہیے

ایک قطرہ بھی نہ اے ساقی ملے کم ظرف کو
انتظامِ بادہ و پیمانہ ایسا چاہیے

دل مرا اہلِ وطن سے ہے بہت کھٹکا ہوا
خار تک جس میں نہ ہو ویرانہ ایسا چاہیے

مول لے کر قیس کی تصویر وہ نادم ہوئے
میں نے جب چھیڑا انھیں دیوانہ ایسا چاہیے

اس ادا سے قتل کر، تجھ کو مرے سر کی قسم
سب کہیں اندازِ معشوقانہ ایسا چاہیے

دیکھ کر چاہت مری کہتے ہیں سب اہلِ نظر
گل کو بلبل، شمع کو پروانہ ایسا چاہیے

بھیس بدلے حضرتِ زاہد، ہیں چوری چھپے
شہر میں پوشیدہ اک مے خانہ ایسا چاہیے

یہ اگر نغموں سے ہو لبریز وہ نالوں سے گرم
عیش خانہ ہو کہ ماتم خانہ ایسا چاہیے

ہجر سے اس شمع رو کے دل جلا فرقت میں بھی
جو اندھیرے میں جلے پروانہ ایسا چاہیے

طور پر ہم بھی گئے تھے کچھ نظر آتا اگر
تو یہ کہتے جلوۂ جانانہ ایسا چاہیے

اس بہانے سے دکھا دیں دل کا نقشہ ہم انہیں
ہم کو اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ایسا چاہیے

خوب جی بھر کر سنا پہلے تو قصہ داغ کا
پھر کہا دل تھام کر، افسانہ ایسا چاہیے

چال ان کی دیکھنا گویا بڑے مظلوم ہیں
سب سے پہلے عرصۂ محشر میں حاضر ہو گئے

کیوں قسم کھاتے ہو اب ہم کو نہیں تم سے ملال
وہ کہے دیتی ہے چتون، تم خفا پھر ہو گئے

داغ تم آئے تھے بزمِ عیش میں خوش خوش ابھی
کیا ہوا، کس واسطے افسردہ خاطر ہو گئے

جب مے لالہ فام ہوتی ہے
مجھ کو توبہ حرام ہوتی ہے

خوبرو وہ ہے جس کی خو اچھی
شمع صورت حرام ہوتی ہے

صبح ہونے تو دو چلے جانا
شب کی نیّت حرام ہوتی ہے

ہجر کا دن ڈھلے تو ہم جانیں
صبح کے بعد شام ہوتی ہے

پہلے اے داغ کچھ نہ ہوش آیا
دل کی اب روک تھام ہوتی ہے

آئی ہوئی عاشق کی طبیعت نہیں جاتی ۔ آئی ہے تو آکر یہ قیامت نہیں جاتی

سر جاتا ہے سر سے ترا سودا نہیں جاتا ۔ دل جاتا ہے، دل سے تری الفت نہیں جاتی

اللہ سے محشر میں کہوں گا ترے آگے ۔ مجبور ہوں میں اس کی محبت نہیں جاتی

اوّل تو اُنھیں شرم رہی مُنہ سے نہ بولے ۔ جب شرم گئی وصل کی حجت نہیں جاتی

اے عمرِ رواں اس کو بھی ہمراہ لیے جا ۔ تُو جاتی ہے دل سے مرے حسرت نہیں جاتی

ہر چند بلا ہے مگر اس میں بھی وفا ہے ۔ گھر غیر کے میری شبِ فرقت نہیں جاتی

آئینہ ہی اب رہنے لگا آپ کے آگے ۔ کہ سکتے ہیں مُنہ دیکھے کی الفت نہیں جاتی

مل جاتے ہیں خود خاک میں ہم فرق ہے اتنا ۔ دل سے تو ہمارے بھی کدورت نہیں جاتی

کیا دیکھ لیا عہدِ سکندر میں الٰہی ۔ آئینے کے مُنہ سے کبھی حیرت نہیں جاتی

شرما کے قسم کھا کے ابھی عہد کیا تھا ۔ پھر ظلم کیا، آپ کی عادت نہیں جاتی

کہتے ہیں مجھے دیکھ کے سب اہلِ محبت ۔ اس طرح تو قابو سے طبیعت نہیں جاتی

ہم چاہ کے پچھتائے ہیں اس پردہ نشیں کو ۔ آنکھوں سے کسی وقت وہ صورت نہیں جاتی

اس کی چتون نظر میں پھرتی ہے ۔ اک چھری سی جگر میں پھرتی ہے

نہ ملا بعدِ مرگ بھی آرام ۔ روح اس رہ گذر میں پھرتی ہے

نہ ملے گا وہ جستجو سے کہیں ۔ خلق کس دردِ سر میں پھرتی ہے

کیا نظارہ بزمِ غیر میں اس حور طلعت کا

یہ کیا معلوم تھا دو رخ میں جنت ایسی ہوتی ہے

نہ نکلے عالمِ بالا تک ایسا چاند سا چہرہ
ابھی کافر بتوں میں ایک صورت ایسی ہوتی ہے

کہو تو ہم نہ کہتے تھے نہ دیکھو آئنہ، دیکھو!
بنا دیتی ہے دم پر، اچھّی صورت ایسی ہوتی ہے

ترا دل سنگ دل پگھلے تو جب ہم کو یقیں آئے
کہ اس کی شان ایسی، اس کی قدرت ایسی ہوتی ہے

غضب میں جان ہے، برسوں کے شکوے بھول جاتا ہوں
کبھی دو چار دن ان کی عنایت ایسی ہوتی ہے

ذرا سی بات پر اے داغ تم ان سے بگڑ بیٹھے
اسی کا نام ہے الفت، محبّت ایسی ہوتی ہے

آپ کا اعتبار کون کرے
روز کا انتظار کون کرے

ذکرِ مہر و وفا تو ہم کرتے
پر تمھیں شرمسار کون کرے

تم تو ہو جان اک زمانے کی
جان تم پر نثار کون کرے

آفتِ روزگار جب تم ہو
شکوۂ روزگار کون کرے

اپنی تسبیح رہنے دے زاہد
دانہ دانہ شمار کون کرے

غیر نے تم سے بے وفائی کی
یہ چلن اختیار کون کرے

داغ کی شکل دیکھ کر بولے
ایسی صورت کو پیار کون کرے

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی
آپ سے تم، تم سے تو ہونے لگی

چاہیے پیغامبر دونوں طرف
لطف کیا جب دو بدو ہونے لگی

ہے تری تصویر کتنی بے حجاب — ہر کسی کے روبرو ہونے لگی
نا امیدی بڑھ گئی ہے اس قدر — آرزو کی آرزو ہونے لگی
اب کے مل کر دیکھیے کیا رنگ ہو — پھر ہماری جستجو ہونے لگی
داغ اترائے ہوئے پھرتے ہیں آج — شاید ان کی آبرو ہونے لگی

ناروا کہیے، ناسزا کہیے — کہیے کہیے مجھے بُرا کہیے
تجھ کو بد عہد و بے وفا کہیے — ایسے جھوٹے کو اور کیا کہیے
تجھ کو اچھا کہا ہے کس کس نے — کہنے والوں کو خیر کیا کہیے
انتہا عشق کی خدا جانے — دم آخر کو ابتدا کہیے
صبر فرقت میں آ ہی جاتا ہے — پر اسے دیر آشنا کہیے
آ گئی آپ کو مسیحائی — مرنے والوں کو مرحبا کہیے
ہوش جاتے رہے رقیبوں کے — داغ کو اور باوفا کہیے!

شکوہ نہیں کسی کی ملاقات کا مجھے — تم جانتے ہو وہم ہے جس بات کا مجھے
جانا کہ بوئے غیر یہ پہچان جائے گا — باسی نہ اس نے ہار دیا رات کا مجھے
کوئی نہیں تو دل ہی سے باتیں ہیں رات بھر — اللہ رے شوق حرف و حکایات کا مجھے
ڈرنا کسی کا اور وہ بجلی کا کوندنا — موسم بہت پسند ہے برسات کا مجھے

مری اُن کی بھری محفل میں ہوگی — زباں پر آئے گی جو دل میں ہو گی
یہی قاصد پتا ہے اس کے گھر کا — ہُوا کچھ اور اس منزل میں ہو گی

عدم کے جانے والو! سنتے جاؤ — یہ آسایش نہ اُس منزل میں ہوگی
نہیں شوخی سے خالی شرم اس کی — قیامت پردۂ حائل میں ہوگی

گرہ جو پڑگئی رنجش میں وہ مشکل سے نکلے گی
نہ ان کے دل سے نکلے گی، نہ میرے دل سے نکلے گی
مجھے آتا ہے تم پر رحم، میرا مُنّہ نہ کھلواؤ
کلیجا توڑے گی وہ دعا جو دل سے نکلے گی
کسی بدخو سے ہم کہنے لگے تھے مدّعا دل کا
یہ کیا معلوم تھا آواز بھی مشکل سے نکلے گی
نہ کرنا قتل ہم کو ورنہ حسرت داغ بن بن کر
تمھارے دل میں بیٹھے گی، ہمارے دل سے نکلے گی
نہیں دشوار کچھ اپنے مکاں سے لامکاں جانا
وہیں پہنچائے گی جو راہ جس منزل سے نکلے گی
ترشتے ہیں قیامت کے غضب کے رات دن فقرے
نئی جب بات نکلے گی تری محفل سے نکلے گی
رموزِ عاشقی کو عاشقو تم داغ سے پوچھو
کہ باریکی میں باریکی اسی کامل سے نکلے گی

فغاں کو لاگ ٹھہری آسماں سے — اٹھا جاتا ہے پردہ درمیاں سے
تری رنجش کھلی طرزِ بیاں سے — نہ تھی دل میں تو کیوں نکلی زباں سے
نرالی ہے ادا سارے جہاں سے — کوئی پیدا کرے تجھ سا کہاں سے

گرے ہوتے الجھ کر آستاں سے — چلے آتے ہو گھبرائے کہاں سے
عدو کی التجا کرنی پڑی ہے — مرادیں مانگتا ہوں آسماں سے
مرے تنکوں میں ہے کیا خارِ حسرت — الگ گرتی ہے بجلی آشیاں سے
لگا رہتا ہے کھٹکا دونوں جانب — مزا ہے دوستی کا بدگماں سے
شکایت راہِ الفت کی سنے کون — الگ چلتا ہوں بچ کر کارواں سے
وہ خط لکھیں مجھے، جھوٹا ہے قاصد — خدا جانے اٹھا لایا کہاں سے
شبِ غم ہر بلا کا منتظر ہوں — نگاہیں لڑ رہی ہیں آسماں سے
زہے جادو، ہوا اُس کا وہی حال — جسے جو کہہ دیا تو نے زباں سے
یہ ہے کیا بات سنتے ہیں وہ اکثر — ہمارا حال دشمن کی زباں سے
تم اپنی رہ گذر سے بچتے رہنا — اٹھے گا فتنۂ محشر یہاں سے
جہاں آباد ہر منزل ہے اے داغ — قدم باہر نکالا جب مکاں سے

کمی کیا پڑ گئی ہے چاہنے والوں کی اے قاتل
کہ اب تلوار کم کھنچتی ہے خنجر کم نکلتا ہے
گِلہ کیسا، کہاں کا رنج، کس کا جاں بلب ہونا
جب اس نے پیار سے پوچھا، تمھارا دم نکلتا ہے

بہت حسرت آتی ہے مجھ کو یہ سن کر — کسی پر کوئی مہرباں ہو رہا ہے
ترے ظلمِ پنہاں ابھی کون جانے — فقط آسماں آسماں ہو رہا ہے
ان آنکھوں نے اس دل کا کیا بھید کھولا — کہ مضطر مرا رازداں ہو رہا ہے
سنوں کیا خبر جشنِ عشرت کی قاصد — جہاں ہو رہا ہے وہاں ہو رہا ہے

وہ حالِ طبیعت، جو برسوں چھپایا ہر اک شخص سے اب بیاں ہو رہا ہے

کس وجہ سے لب پر مرے فریاد نہ آتی وہ چوٹ نہیں کھائی تھی جو یاد نہ آتی
اک عمر سے ہوں نغمہ سرا کنجِ قفس میں اب بھی مجھے دلداریِ صیّاد نہ آتی!
مرتا مگر اس حال سے فرقت میں نہ مرتا آتی مگر اس طرح تری یاد نہ آتی
ہے فیضِ الٰہی میں کمی کون سی اے داغؔ کیوں جوش پہ یہ طبعِ خداداد نہ آتی

بات کرتی نہیں لے لیتی ہے چٹکی دل میں یہ تو ہے آپ کی تصویر میں اک بات نئی
عشق بھی کفر ہوا، حضرتِ واعظ خاموش آپ نے یہ تو کہی قبلۂ حاجات نئی!
رنگِ مے دیکھ کے ہم صاف بتا دیتے ہیں یہ پرانی ہے، یہ اے پیرِ خرابات نئی
غیر نے کی، جو بُرائی تو بھلائی ٹھہری یہ ملی ہے عملِ بد کی مکافات نئی
داغؔ سا بھی کوئی شاعر ہے ذرا سچ کہنا جس کے ہر شعر میں ترکیب نئی، بات نئی

آنکھیں پھوٹیں جو کچھ بھی دیکھا ہو ابھی آتا ہوں دشتِ ایمن سے
ہائے مجبوریاں محبت کی حال کہنا پڑا ہے دشمن سے

ملتے ہی بے باک تھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی پھر گئی پچتا کے پلکوں تک حیا آئی ہوئی
ہر ادا مستانہ سر سے پا تو تک چھائی ہوئی اف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

ہائے وہ دنیا کہاں وہ عیب پوشی اب کہاں
عرصۂ محشر میں رسوائی سی رسوائی ہوئی

مجھ کو یہ دعوا کوئی تیرے رسوا دل میں نہیں
اس کا یہ الزام، اچھی قیدِ تنہائی ہوئی

ٹوک کر رستے میں پیار آ ہی گیا اس شوخ پر
وہ نظر حیرت زدہ، وہ آنکھ شرمائی ہوئی

تازہ غم کھایا کیے ہم وہ ہیں پاکیزہ مزاج
اور تم کھاتے رہے جھوٹی قسم کھائی ہوئی

بھولے بن کر ان کے مُنہ سے سن لیا حالِ رقیب
عمر بھر میں ایک ہی تو ہم سے دانائی ہوئی

کس دلِ بے تاب کی یارب تماشائی ہوئی
وہ نگاہِ شوخ کچھ پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

چوٹ کھائی عشق کی دل نے، جگر تڑپا کیا
دوسرے پر آئی کیوں کر ایک کی آئی ہوئی

توبہ کر زاہد، کروں میں توبہ ایسے وقت میں
یہ بہار آئی ہوئی، ایسی گھٹا چھائی ہوئی

یہ ملا ذکرِ قیامت پر قیامت کا جواب
کیا اٹھے گی وہ ہماری ٹھوکریں کھائی ہوئی

ہے عجب اندھیر کوئی داغ کا پرساں نہیں
صبحِ محشر بھی الٰہی! شامِ تنہائی ہوئی

کیا قسم کھا کر ہوا ہے منفعل پیغامبر
تاڑ لی اس نکتہ چیں نے بات بجھائی ہوئی

کس بلا میں مبتلا رہتی ہے دن بھر شامِ غم
دوڑ کر آتی ہے میرے گھر میں گھبرائی ہوئی

ماہتابِ داغؔ

ابرِ رحمت ہے اُدھر، دیدۂ پُرنم ہے اِدھر
مشکل اس نامۂ اعمال کا دھونا کیا ہے؟
تم پہ مر جائیں گے اس آس پہ ہم جیتے ہیں
زندگی شرط ہے تو جان کا کھونا کیا ہے؟
چمپئی رنگ پھر اس رنگ میں بجلی کی چمک
مات کندن ہے ترے رنگ سے سونا کیا ہے؟

آرزو ہے وفا کرے کوئی
جی نہ چاہے تو کیا کرے کوئی
گر مرض ہو دوا کرے کوئی
مرنے والے کا کیا کرے کوئی
یہ ملی داد رنجِ فرقت کی
اور دل کا کہا کرے کوئی

دل میں ہیں نامہ بر سے بہت بدگمانیاں
مُنہ پر یہ کہہ رہا ہوں ترا اعتبار ہے
جب تک وفا ہو وعدہ، یہاں زندگی کہاں
مجھ سے زیادہ عہد ترا پائدار ہے
یہ آپ جانیں داغؔ میں جو ہوں برائیاں
اتنا تو ہم کہیں گے بڑا وضع دار ہے

پائے ساقی پہ گرایا، جب گرایا ہے مجھے
چال سے خالی کہاں یہ لغزشِ مستانہ ہے
داغؔ یہ ہے کوئے قاتل، مان ناداں ضد نہ کر
اُٹھ یہاں سے، آ اِدھر گھر بیٹھ کچھ دیوانہ ہے

کرنے مجھ سے ہر چند وہ بھولی باتیں
مگر پھر کہوں گا کہ قاتل یہی ہے

طبیعت کا آنا ہے آفت کا آنا — کرے صبر انسان مشکل یہی ہے
ترا جلوہ ٹھیرا ہے مقصودِ عالم — کہ ساری خدائی کا حاصل یہی ہے

تو بھی اے ناصح کسی پر جان دے — ہاتھ لا استاد، کیوں کیسی کہی !
داغ تجھ کو باغِ جنّت ہو نصیب — خانماں برباد، کیوں کیسی کہی !

کہا تھا ہم نے جو کچھ رازداں سے — سُنا وہ آج دشمن کی زباں سے
وہی کہتا ہوں میں سنتا ہوں جو کچھ — ملی ہے یوں زباں ان کی زباں سے
ہر اک میں عیب نکلیں گے کہاں تک — تمھیں اچھے سہی سارے جہاں سے

تاثیرِ محبت نے کیوں دیر لگائی ہے — یارب مری قسمت نے کیوں دیر لگائی ہے
مے خانے پہ آجائے گھنگھور گھٹا گھِر کر — اللہ کی رحمت نے کیوں دیر لگائی ہے
لڑتی نہیں آنکھ ان کی گو سامنے بیٹھے ہیں — شوخی نے، شرارت نے کیوں دیر لگائی ہے

کس طرح کہوں قیس ترے دل کو لگی ہے — نالوں سے کبھی آگ بھی محمل میں لگی ہے
جب سے یہ سُنا داغ نے کی عشق سے توبہ — گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں کیا دل کو لگی ہے

کس نے یوں پیار کیا، کس نے وفا ایسی کی — کیوں کریں قتل کسی کو وہ ہمارے ہوتے

زلفیں بکھری ہوئیں تم نے جو سنواریں تو کیا — کام بگڑے ہوئے عاشق کے سنوارے ہوتے
چار دن بھی نہ رقیبوں سے نبھی، دیکھ لیا — جو ہمارے نہ ہوئے کب وہ تمھارے ہوتے
بے نیازی کی ادا ان میں نہ ہوتی ہرگز — داغؔ یہ بت جو نہ اللہ کو پیارے ہوتے

ہم اپنے ہی سر لیں گے مصیبت ہو کسی کی — آئے گی اِسی جان پہ آفت ہو کسی کی
پیغام دیا تھا کوئی مرتا ہے خبر لو — قاصد سے کہا گر یہی عادت ہو کسی کی
کیوں وصل کی شب ہات لگانے نہیں دیتے — معشوق ہو یا کوئی امانت ہو کسی کی

چاہتے ہو مری چاہت کا رقیبوں سے ثبوت — جب ہو مجرم کو خود اقرار، گواہی کیسی؟
اس سے بڑھ کر تو گنہ گار نہ دیکھا نہ سُنا — جب کیا عشق تو ناکردہ گناہی کیسی؟
کیا بری چیز ہے، الفت کا بُرا ہو اے داغؔ — دل سے ہم دم نے برائی مری چاہی کیسی

نہ کیوں ہو ان کی گھبرائی ہوئی چال — کہ فتنے لپٹے جاتے ہیں قدم سے
پسند آئی اُنھیں خود طرزِ رفتار — نظر اٹھتی نہیں اپنے قدم سے
مرے سر پر نہ رکھو ہاتھ اتنا — کہ ہوگا دردِ سر جھوٹی قسم سے

ہزاروں چاہتے ہیں داغؔ تم کو — تمھیں پھر بے وفائی کیوں نہ آئی

لطف وہ عشق میں پائے ہیں کہ جی جانتا ہے — رنج بھی ایسے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

مسکراتے ہوئے وہ مجمعِ اغیار کے ساتھ
آج یوں بزم میں آئے ہیں کہ جی جانتا ہے

سادگی، بانکپن، اغماض، شرارت، شوخی
تو نے انداز وہ پائے ہیں کہ جی جانتا ہے

کعبہ و دیر میں پتھرا گئیں دونوں آنکھیں
ایسے جلوے نظر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے

داغِ وارفتہ کو ہم آج ترے کوچے سے
اس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی جانتا ہے

کام رکنے کا نہیں اے دلِ ناداں کوئی
خود بخود غیب سے ہو جائے گا ساماں کوئی

بیچتا ہوں جو خریدے مرے ارماں کوئی
مفت دیتا ہوں اگر مان لے احساں کوئی

عشق جس کو نہ ہوا ایسا نہیں انساں کوئی
آگے تقدیر ہے خوش ہو کہ پشیماں کوئی

دیر ہو جائے بلا سے انھیں آرائش میں
رہ نہ جائے کسی کم بخت کا ارماں کوئی

شکوۂ رنجش و بیداد بھی کرنا قاصد
مگر اتنا کہ نہ ہو جائے پشیماں کوئی

حسرتیں یوں تو محبت میں بہت ہوتی ہیں
دل میں رکھنے کا نکل آتا ہے ارماں کوئی

ایک مہمان نے آتے ہی یہ گھر لوٹ لیا
وہ جو دل میں ہے تو باقی نہیں ارماں کوئی

جب سے کی عشق سے توبہ نظر آتے ہیں یہ خواب
کھینچتا ہے کوئی دامن تو گریباں کوئی

آنکھ میں آنکھ تو ڈالی نہیں جاتی ظالم
دل میں دل ڈال دے کس طرح سے انساں کوئی

مٹ چکی ہے خلشِ دل مگر اب بھی اے داغ
پھانس کی طرح کھٹک جاتا ہے ارماں کوئی

شکایت سن کے یہ ہوتا ہے ارشاد
تری تقدیر میں راحت کبھی تھی؟

تمھاری سادگی یہ کہہ رہی ہے
نگاہِ ناز اک آفت کبھی تھی

دلِ برباد میں اڑتی ہے اب خاک
یہ بستی غیرتِ جنت کبھی تھی

جاتے تھے مُنہ چھپائے ہوئے مے کدے کو ہم
آتے ہوئے اُدھر سے کئی پارسا ملے

شوقِ وصال خاک میں سب کو ملائے گا
تم کیوں ملو کسی سے تمھاری بلا ملے

یہ بھید کیا ہے مجھ سے ملا آج یوں رقیب
جس طرح آشنا سے کوئی آشنا ملے

اُس کے ہجومِ ناز میں کھویا گیا ہے دل
جو اس طرح کی بھیڑ میں گم ہو وہ کیا ملے

اے داغ اپنی وضع ہمیشہ یہی رہی
کوئی کھنچا، کھنچے کوئی، ہم سے ملا، ملے

ساقیا دے بھی مے روح فزا تھوڑی سی
بے وفا عمر کرے اور وفا تھوڑی سی

ہم تو اُس آنکھ کے ہیں دیکھنے والے دیکھو
جس میں شوخی ہے بہت اور حیا تھوڑی سی

تم مرے جرم کی تفصیل نہ پوچھو مجھ سے
کہ خطاوار بتاتا ہے خطا تھوڑی سی

ابھی بُت خانے کے سجدوں سے تو فرصت ہولے
جا کے مسجد میں بھی کرلیں گے ادا تھوڑی سی

مرگِ فرہاد پہ حسرت سے کہا شیریں نے
عمر عاشق ہی کو دیتا ہے خدا تھوڑی سی

منصفی شرط ہے آخر کوئی کب تک بخشے
روز ہو جاتی ہے بھولے سے خطا تھوڑی سی

داغ یہ مے ہے، یہ ساغر ہے، کہاں کی توبہ
پی خدا کے لیے اے مردِ خدا تھوڑی سی

ہچکیاں داغ دمِ نزع چلی آتی ہیں
شاید اُس بھولنے والے نے کیا یاد مجھے

تم نے بدلے ہم سے گِن گِن کے لیے
ہم نے کیا چاہا تھا اِس دن کے لیے

کچھ نرالا ہے جوانی کا بناو
شوخیاں زیور ہیں اس سِن کے لیے

چاہنے والوں سے گر مطلب نہیں
آپ پھر پیدا ہوئے کِن کے لیے

فیصلہ ہو آج میرا آپ کا
یہ اٹھا رکھا ہے کِس دن کے لیے

دل کے لینے کو ضمانت چاہیے — اور اطمینان ضامن کے لیے
ہم نشینوں سے مرے کہتے ہیں وہ — چھوڑ دیں غیروں کو کیا ان کے لیے
آج کل میں داغ ہو گے کامیاب — کیوں مرے جاتے ہو دو دن کے لیے

کچھ تذکرۂ رنجشِ معشوق جو آیا — دشمن کے بھی آنسو نکل آئے مرے آگے
بجھتے ہوئے دیکھوں گا نہ میں دل کی لگی کو — کوئی نہ کبھی شمع بجھائے مرے آگے
مانگی ہے دعا وصل کی کچھ اور نہ سمجھو — کوسا ہو اگر میں نے تو آئے مرے آگے
تیور یہی کہتے تھے کہ یہ نام ہے میرا — لکھ کر کبھی حرف اس نے مٹائے مرے آگے
بچھڑے ہوئے معشوق ملیں سب کو الٰہی — تنہا کوئی جنّت میں نہ جائے مرے آگے
کچھ داغ کا مذکور جو آیا تو وہ بولے — آئے تھے بُرا حال بنائے مرے آگے

اقرار سے زیادہ ہے انکار آپ کا — ہر دم نہیں نہیں ہے تو ہاں ہاں کبھی کبھی
دل رفتہ رفتہ خوگرِ غم ہو تو خوب ہے — آیا کرے مری شبِ ہجراں کبھی کبھی
میری مجال ہے جو کروں عرضِ مدعا — نظروں میں بات ہوتی ہے پنہاں کبھی کبھی
شکرِ خدا کہ عشق نے کچھ کچھ اثر کیا — وہ دیکھتے ہیں داغ کا دیواں کبھی کبھی

گلشن میں ہرے ہو کے شجر لائے ثمر بھی — اے بارشِ رحمت کوئی چھینٹا تو ادھر بھی
بت خانے میں کیوں رہنے لگے حضرتِ زاہد — ایسوں کا ٹھکانا نہیں اللہ کا گھر بھی
بیٹھو بھی مرے قتل پہ کیا باندھو گے تلوار — دیکھوں تو کبھی باندھنی آتی ہے کمر بھی

اک چیز ہے اس عالمِ مستی میں بشر بھی — دنیا کا طلب گار بھی، دنیا سے حذر بھی
اس تیر کا زخمی ہے مرا دل بھی جگر بھی — اچھوں کی بری ہوتی ہے سیدھی سی نظر بھی
یہ کان تک آئے گی بری ہو کہ بھلی ہو — رک جائے گی کیا تیری طرح تیری خبر بھی

دل اُس نے لیا، مجھ کو ملی دولتِ دیدار
کیا لُوٹ کا سامان اُدھر بھی ہے اِدھر بھی

جب جرمِ محبّت کی سزا مل گئی اک بار
تقصیر وہی ہم سے ہوئی بارِ دگر بھی

روندا ہے غضب لشکرِ غم نے مرے دل کو
ایسی نہیں پامال کوئی راہ گذر بھی

فرماتے ہیں وہ سنتے ہیں جب داغ کے اشعار
اللہ زباں دے تو زباں میں ہو اثر بھی

ہم سے برگشتہ کسی کی نظر ایسی تو نہ تھی
گرچہ تھی چشمِ تغافل مگر ایسی تو نہ تھی

شب کو جو حال رہا ہے وہ خدا پر روشن
تجھ سے امّید مجھے بے خبر ایسی تو نہ تھی

وہی دل ہے، وہی لب ہیں، وہی اندازِ بیاں
جیسی اب ہے یہ دعا بے اثر ایسی تو نہ تھی

بارہا آئے گئے نامہ و پیغام و سلام
تجھ کو جلدی کبھی اے نامہ بر ایسی تو نہ تھی

شکستِ عہد سے ہوتا ہی کیا ہے
انھیں اس بات کی پروا ہی کیا ہے

ترقّی کر رہی ہے ان کی شوخی
ابھی تڑپے گا دل، تڑپا ہی کیا ہے

بڑی آنکھیں تمھاری ہیں اگر، ہوں
اِن آنکھوں نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے

حقیقت میں ہو تم دنیا سے اچھے
حقیقت میں مگر دنیا ہی کیا ہے

ہمارے دل میں ہے ساری خدائی
خدا کے گھر میں اب رکھا ہی کیا ہے

تجھے دنیا میں لوں، عقبےٰ میں چاہوں
بجز اس کے مرا دعوا ہی کیا ہے

رہی کیوں اس دلِ ویراں میں حسرت
نہ ہو وحشت تو وہ صحرا ہی کیا ہے

ہمیشہ دیکھتی ہیں دل کی آنکھیں
ہمارا آپ کا پردا ہی کیا ہے

ادا ہے ابتدا مشقِ جفا کی
بہت ہوگا ستم، اتنا ہی کیا ہے

فقط اک جان وہ بھی تجھ پہ قرباں
محبّت نے یہاں چھوڑا ہی کیا ہے

اگر سُن لیں وہ حالِ زار اے داغ
ترے کہنے پہ، پھر کہنا ہی کیا ہے

وہ جب او پری دل سے کرتے ہیں وعدہ
تو کھاتی ہے پلٹے زباں کیسے کیسے

بنایا کیے مجھ کو مجرم وہ ناحق
ملایا کیے ہاں میں ہاں کیسے کیسے

گئے دیدہ و دل بھی ہم راہِ قاصد
روانہ ہوئے ارمغاں کیسے کیسے

گزرگاہِ ارمان و حسرت رہا دل
گزرتے رہے کارواں کیسے کیسے

وطن سے چلے داغ جب ہم دکن کو
چھٹے اہلِ ہندوستاں کیسے کیسے

تلاش ان کو ہے میرے رازداں کی
نئی ترکیب نکلی امتحاں کی

خدا کے سامنے بھی بُت بنے وہ
ہمیں نے ان کی کیفیّت بیاں کی

وہ سن کر داغ کے اشعار بولے
خدا جانے یہ بولی ہے کہاں کی

ہم ایسے ہی تو ہیں وہ ہم کو پوچھیں اس عنایت سے
یقیں آتا نہیں قاصد ہے جھوٹا، ہم نہ مانیں گے

نکل جائے اگر پہلو سے دل یہ ہے یقیں ہم کو
نکل جائے کبھی دل سے تمنّا، ہم نہ مانیں گے

بڑھے تکرار کیوں، پہلے ہی اس کا فیصلہ کر لو
یہ کہنا مان لیں گے ہم، یہ کہنا ہم نہ مانیں گے

تمھیں خطِ غلامی داغ لکھ دے کیا سند اس کی
کہ ایسا شخص ہو بندہ کسی کا، ہم نہ مانیں گے

سب سے تم اچھے ہو، تم سے مری قسمت اچھی
یہی کم بخت دکھا دیتی ہے صورت اچھی

حسنِ معشوق سے بھی حسنِ سخن ہے کم یاب
ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی

میری تصویر بھی دیکھی تو کہا شرما کر
یہ بُرا شخص ہے، اس کی نہیں نیت اچھی

قبر میں نیند اڑاتے ہیں نکیرین عبث
ان سوالوں سے تو دشمن کی حکایت اچھی

میری شامت کہ دکھائی اسے دشمن کی شبیہ
مسکرا کر یہ کہا اس نے، نہایت اچھی

میری تربت پہ یہ ظالم نے کہا پچھتا کر
مل گئی عیشِ ابد کی تجھے فرصت اچھی

عیب اپنے بھی بیاں کرنے لگے آخرِ کار
ہوگئی ان کو بُرا کہنے کی عادت اچھی

تم بتاؤ تو سہی مہر و محبت کے گواہ
ایسے دعوے میں تو جھوٹی بھی شہادت اچھی

زور و زر سے بھی کہیں داغؔ حسیں ملتے ہیں
اپنے نزدیک تو ہے سب سے اطاعت اچھی

حور کی خواہش پہ یہ طعنے ملے
واہ کیا نیّت ہے کیا اوقات ہے

تو نے قاصد جو کہی دل کو لگی
یہ اسی کافر کے مُنہ کی بات ہے

یہ ملا اظہارِ الفت پر جواب
آپ ایسے ہی تو ہیں کیا بات ہے

بات کرنی بھی نہ آتی تھی تمھیں
یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

داغؔ سے جا کر ملے تھے ہم بھی آج
آدمی خوش وضع، خوش اوقات ہے

نفرت ہے حرفِ وصل سے اچھا یونہیں سہی
لو آؤ اور بات سُنو، وہ نہیں سہی

چھوڑوں گا میں نہ ہاتھ چلے آؤ ساتھ ساتھ
نازک کلائی دُکھتی ہے تو آستیں سہی

آرام کچھ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا
زیرِ فلک نہیں ہے تو زیرِ زمیں سہی

بے دل لگی بھی داغؔ گزرنی محال ہے
وہ دل نہیں سہی وہ تمنّا نہیں سہی

ایک طوفاں ہے غمِ عشق میں رونا کیا ہے
نہیں معلوم کہ انجام کو ہونا کیا ہے

چار باتیں بھی کبھی آپ نے کُھل مل کے نہ کیں
اِنھیں باتوں کا ہے رونا مجھے رونا کیا ہے

لحدِ تنگ میں کروٹ بھی نہ لینے پائے
پانو پھیلا کے نہ سوئے تو وہ سونا کیا ہے

پُرسش جوان سے ظلم کی روزِ جزا ہوئی
اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ، خطا ہوئی

پوری ابھی سُنی بھی نہیں تم نے داستاں
اک بات میں بگڑ گئے، یہ بات کیا ہوئی

جیتا ہے دیکھ دیکھ کے تجھ کو ہر اک بشر
کیا بند تیرے عہد میں راہِ فنا ہوئی

چھائی جاتی ہے یہ وحشت کیسی — گھر بیابان ہوا جاتا ہے
شکوہ سُن آنکھ ملا کر ظالم! — کیوں پشیمان ہوا جاتا ہے
خدمتِ پیرِ مغاں کر زاہد — تو اب انسان ہوا جاتا ہے
مدد اے ہمّتِ دشوار پسند — کام آسان ہوا جاتا ہے

دیکھیے عشق میں اب جان رہے یا نہ رہے — جان کیا چیز ہے، ایمان رہے یا نہ رہے
چاٹ جنّت کی قیامت ہے، دلِ خلق حریص — عمر بھر شوق میں انسان رہے یا نہ رہے
اب تو کھائی ترے ملنے کی قسم اے ظالم — آن رہ جائے مری، جان رہے یا نہ رہے
ہوش میں آؤ، نہ گھبراؤ، جواب اس کا دو — شب کو جا کر کہیں مہمان رہے یا نہ رہے؟

جو پوچھا کبھی شغلِ تنہائی ان سے — کہا گنتے ہیں، ہم خطائیں تمھاری
زمانے میں ہیں یادگارِ زمانہ — وفائیں ہماری، جفائیں تمھاری
ہمیں دوگے انعام کیا روزِ محشر — جو ہم بات بگڑی بنائیں تمھاری
کرو صدقے غیروں کو سر پر سے اپنے — بڑے لینے والے بلائیں تمھاری

نگہ نکلی نہ دل کی چور زلفِ عنبریں نکلی — اِدھر لا ہاتھ، مٹھی کھول، یہ چوری یہیں نکلی
بجا اے حضرتِ زاہد کہاں دنیا، کہاں جنّت؟ — نرالی آن، بانکی وضع جب نکلی یہیں نکلی
کہوں کیا، پہلے ہی آنکھیں نکالیں آپ نے مجھ پر — ابھی کم بخت پوری بات بھی مُنہ سے نہیں نکلی
نکل کر تم مری آغوش سے اس حال کو پہنچے — کہیں سے چل دیا دامن، کہیں سے آستیں نکلی
تمھیں دعوا تھا ہم ہوں گے مقابل ماہِ کامل سے — اک شان ہے تو وصل کی شب چودھویں نکلی

رحمت کے کارخانے ہیں واعظ کچھ اور ہی
بخشش اسی کی ہوگئی جس سے خطا ہوئی

بندِ قبا شکستہ ہیں، دامن ہے چاک چاک
کس کی طرف سے یہ تو کہو ابتدا ہوئی

دل ہاتھ سے گیا ہے تو پھر مل ہی جائے گا
یہ جان تو نہیں کہ ہوئی جب جدا، ہوئی

دنیا میں ہیں سب عیش کے ساماں کوئی دن کے
یہ جلوے نظر آتے ہیں ناداں کوئی دن کے

ہے جوشِ جوانی میں خیالِ مے و معشوق
اے دل ہیں یہ سب خوابِ پریشاں کوئی دن کے

لے جائے کہاں دیکھیے اب گردشِ قسمت
دِلّی میں ہم اے داغ ہیں مہماں کوئی دن کے

ساتھ شوخی کے کچھ حجاب بھی ہے
اس ادا کا کہیں جواب بھی ہے

مار ڈالا ہے اس دو رنگی نے
مہربانی بھی ہے عتاب بھی ہے

اب وہ یہ کہہ رہے ہیں مری مان جایئے
اللہ تیری شان کے قربان جایئے

محفل میں کس نے آپ کو دل میں چھپا لیا
اتنوں میں کون چور ہے پہچان جایئے

گو وعدۂ وصال ہو جھوٹا، مزا تو ہے
کیوں کر نہ ایسے جھوٹ کے قربان جایئے

یہ مختصر جواب ملا عرضِ وصل پر
دل مانتا نہیں کہ تری مان جایئے

وہ آزمودہ کار تو ہے گر دلی نہیں
جو کچھ بتائے داغ اسے مان جایئے

اس لیے وصل سے انکار ہے، ہم جان گئے
یہ نہ سمجھے کوئی کیا جلد کہا مان گئے

یا الٰہی! کہیں، لٹتی تو نہیں راہِ عدم
جانے والے جو یہاں چھوڑ کے سامان گئے

بندۂ عشق ہو ایسے کہ الٰہی توبہ!
تم تو معشوق کو اے داغ خدا مان گئے

عرضِ احوال کو گِلا سمجھے — کیا کہا میں نے، آپ کیا سمجھے

وعدہ کرنا پھر اِس خوشی کے ساتھ — ہم تو اس کو بھی اک ادا سمجھے

دل نے سمجھا ہے دوست دشمن کو — ایسے نافہم سے خدا سمجھے

دل کو کیا ہو گیا خدا جانے — کیوں ہے ایسا اُداس، کیا جانے

اس تجاہل کا کیا ٹھکانا ہے — جان کر جو نہ مدّعا جانے

تم نہ پاؤ گے سادہ دل مجھ سا — جو تغافل کو بھی حیا جانے

نہیں کوتاہ دامنِ امّید — آگے اب دستِ نارسا جانے

سیکڑوں مِلتے ہیں الزام کے دینے والے — ایک دو بھی نہیں آرام کے دینے والے

میرے قاصد کو دیا اس نے یہ جھنجلا کے جواب — کون ہوتے ہیں وہ پیغام کے دینے والے

جاں نثاروں کو مِلا کرتے ہیں اکثر دشنام — تم سلامت رہو انعام کے دینے والے

لذّتِ سیرِ دگر چشمِ تمنّا لے گی — ایک بار اور بھی دُنیا ابھی پلٹا لے گی

شکوۂ دہر نہ بے دادِ فلک کی فریاد — حشر میں خلقِ خدا نام تمھارا لے گی

پردہ در ہوگی محبّت، یہ خبر کس کو تھی — ہاتھ میں دامنِ یوسف کو زلیخا لے گی

نہ کریں میرے لیے حضرتِ ناصح تکلیف — خود طبیعت دلِ بے تاب کو سمجھا لے گی

لُٹ چکے جان و دل و صبر و خرد در رہِ وصال — کیا دھرا ہے، شبِ غم آ کے یہاں کیا لے گی

کام بگڑا نہ بنائے سے بنے گا ہرگز — میری تدبیر نہ تقدیر سے بدلا لے گی

درد و غم، رنج و الم مول لیے کیا کیا کچھ — اور کیا کیا نہ مری خواہشِ بے جا لے گی

گرمِ بازاریِ دل دیکھ کے وہ کہتے ہیں ۔۔۔ ہم نہ لیں گے اُسے جس چیز کو دنیا لے گی

دلِ سودا زدہ آزارِ محبت لے گا ۔۔۔ عقل دیوانی نہیں ہے، جو یہ سودا لے گی

جب سے بسی ہوئی کسی گل گوں قبا میں ہے ۔۔۔ میں کیا کہوں کہ نکہتِ گل کس ہوا میں ہے

گردیدہ اس ستم پہ بھی رہتے ہیں سیکڑوں ۔۔۔ میری وفا کا رنگ تمھاری جفا میں ہے

خالی نہیں ہے ان کی شرارت سے شرم بھی ۔۔۔ جو کچھ بھی ادا ہے، وہ شوخی حیا میں ہے

اب دیکھیے جو داغ کو، وہ داغ ہی نہیں ۔۔۔ سب رنگ چھوڑ چھاڑ کے یادِ خدا میں ہے

ہم اس جہان سے ارمان لے کے جائیں گے ۔۔۔ خدا کے گھر یہی سامان لے کے جائیں گے

یہ ولولے تو مری جان لے کے جائیں گے ۔۔۔ یہ ذوق و شوق تو ایمان لے کے جائیں گے

ہمیں یہ فکر کہ دل سوچ کر سمجھ کر دیں ۔۔۔ انھیں یہ ضد کہ اسی آن لے کے جائیں گے

نہیں ہے تشنگیِ حشر کا کچھ اندیشہ ۔۔۔ ہم اشکِ شرم کا طوفان لے کے جائیں گے

کیا ہے سخت پریشان ناصحوں نے مجھے ۔۔۔ جب آئیں گے مرے اوسان لے کے جائیں گے

دعوے پہ ان کی بات بنائی ہوئی سی ہے ۔۔۔ کھائی ہے وہ قسم کہ جو کھائی ہوئی سی ہے

چھایا ہوا ہے بزمِ عدو کا خمار سا ۔۔۔ آنکھوں میں تیری نیند سمائی ہوئی سی ہے

افسردہ خاطری میں بھی ہے آگ شوق کی ۔۔۔ پوری بجھی نہیں، یہ بجھائی ہوئی سی ہے

تم دل سے مہرباں ہو، اس کا یقیں نہیں ۔۔۔ یہ طرزِ التفات اڑائی ہوئی سی ہے

میرا نشان کوچۂ جاناں میں دیکھیے ۔۔۔ اک مشتِ خاک، وہ بھی اڑائی ہوئی سی ہے

ہر دم اُسی کی دھن ہے، اسی کا خیال ہے
چھوٹے چھٹائے ربط پر اب تک یہ حال ہے

جب ہو نہ اعتبار تو کہنے سے فائدہ؟
اللہ جانتا ہے جو اس دل کا حال ہے

سن کر مری زباں سے برائی رقیب کی
غصّے کو تم نے ضبط کیا، یہ کمال ہے

لیل و نہار اپنے گزرتے ہیں ایک شکل
جو شب کو خواب تھا وہی دن کو خیال ہے

اے داغ ان کی رنجشِ بے جا کا کیا علاج
اپنے قصور پر بھی تو مجھ سے ملال ہے

دل لے ہی چکے ناز سے، شوخی سے، ہنسی سے
اب ان کی بلا آنکھ ملاتی ہے کسی سے

آئینے میں کیا دیکھتے ہو اپنی ادائیں
اس ناز، اس انداز کو پوچھو مرے جی سے

گھر پھونک دیے آتشِ الفت نے ہزاروں
یہ آگ قیامت کی لگی، دل کی لگی سے

ہوں محوِ تصوّر، مری باتوں پہ نہ جاؤ
کچھ بے خودیِ شوق میں کہتا ہوں کسی سے

مشکل ہے اِن آنکھوں سے خدا کو کوئی دیکھے
دیکھے تو بتِ ماہ لقا کو کوئی دیکھے

اس چشمِ فسوں گر کی حیا کو کوئی دیکھے
اس ظالمِ مظلوم نما کو کوئی دیکھے

مار ڈالے گی قفس میں بوے گل
ہم اسیروں سے ہوا بچ کر چلے

داغ کے لب پر ہے مصرع دردؔ کا
'جب تلک بس چل سکے ساغر چلے'

پھر قصدِ صنم خانہ کیا داغ جو تو نے
کم بخت، ترے پانو میں چکّر تو نہیں ہے

جفائے آسماں کی انتہا کیا؟ — بڑوں کی بات جو کچھ ہے، بڑی ہے

مدّت سے رسمِ مہر و وفا میں کمی تو تھی — آخر ترے زمانے میں متروک ہو گئی

مٹ گئے جب ہم تو جانو مٹ گئی ساری بہار — ہم ہیں دنیا میں تو یہ گلزارِ دنیا ہم سے ہے
جا چکی تھی رسمِ الفت، مٹ چکا تھا نامِ عشق — اب زمانے میں کچھ ان باتوں کا چرچا ہم سے ہے
یارب! اس سے ہیں بہت وابستہ دل کی خواہشیں — آسماں کو بھی کسی شے کی تمنّا ہم سے ہے

جمع ہیں پاک اک زمانے کے — ہائے جلسے شراب خانے کے
ذکر بے فائدہ نہ کر واعظ — اس زمانے میں اُس زمانے کے
برق پھونکے، اڑائے بادِ خزاں — چار تنکے ہیں آشیانے کے

جلوہ بے پردہ تو ہوتا ہے فقط ہوش رُبا — وہ قیامت ہے جو چلمن کی جھلک ہوتی ہے
جس نے سونگھی ہے یہ خوشبو کوئی اس سے پوچھے — باسی ہاروں کے جو پھولوں میں مہک ہوتی ہے
کوئی تو غم ہے جو کی آپ نے آرائش ترک — سادگی اور مجھے باعثِ شک ہوتی ہے

اچھی کہی کہ عشق میں بیمار کیوں ہوئے — اچھوں کے آپ درپے آزار کیوں ہوئے
پی کر نہ توبہ کی ہو تو واعظ زباں جلے — یہ اعتراض کیا ہے کہ مے خوار کیوں ہوئے؟

کس نے مذکور کر دیا میرا
بگڑے بیٹھے ہیں ساری محفل سے

اب زباں سے وہ پھر نہیں سکتیں
جو دعائیں نکل گئیں دل سے

ہم تیرے سوا اور ہوں کس چیز کے طالب
کیا چھوڑ دیا مانگنے والوں نے خدا سے

دل میں بھی اسی طرح گرہ پڑ گئی ہوگی
یہ عقدہ کھلا ہم کو ترے بندِ قبا سے

اب دوش پر ان کے ہے کماں، ہاتھ میں ہے تیر
اِس عہد میں مرنے کا نہیں کوئی قضا سے

کچھ جفا بھی ہے کچھ وفا بھی ہے
دل لگی کا یہی مزا بھی ہے

عاقبت میں بھی دل کو چین نہیں
اِس محبّت کی انتہا بھی ہے

زندگی اور اِس زمانے کی
ایسے جینے کا کچھ مزا بھی ہے

میں سُناؤں تو داستاں اپنی
آپ کو بات کا مزا بھی ہے؟

رشک پر صبر ہو سکے کیوں کر
یہ کسی سے کبھی ہوا بھی ہے؟

چار دن کے شباب پر یہ غرور
ابتدا ہے تو انتہا بھی ہے

دیکھ کر دل کو پوچھتے ہیں وہ
اس مکاں میں کوئی رہا بھی ہے؟

کچھ ہے بے جا عتاب بھی اُن کا
کچھ یونہی سی مری خطا بھی ہے

ہاں ذرا پھر قسم تو کھا لیجے
آج کل جھوٹ میں مزا بھی ہے

حالِ دل کب ادا ہُوا پورا
کچھ کہا بھی ہے کچھ رہا بھی ہے

شبِ وصل کی کیا کہوں داستاں
زباں تھک گئی گفتگو رہ گئی

بہت چل بسے یار، اے زندگی!
کوئی دن کی مہمان تو رہ گئی

دکھا کر جھلک کون چلتا ہُوا　　نظر ڈھونڈتی چار سو رہ گئی

جو مجھ پہ چشمِ لطف تھی اب غیر پر ہوئی　　دنیا کی طرح یہ بھی اِدھر کی اُدھر ہوئی
کرلیں گے حور کا بھی نظارہ دمِ اخیر　　دنیا کی تاک جھانک سے فرصت اگر ہوئی
دل کو بغل میں پال کے مجبور ہو گئے　　دشمن کے ساتھ عمر ہماری بسر ہوئی

گو جانتا ہوں جھوٹ مگر اس کو کیا کروں
کھاتے ہیں پیار سے وہ قسم میری جان کی
کب تک بنا بنا کے کہوں داستانِ دل
فرمایشیں ہیں روز نئی داستان کی

مل کر تو اُن سے دیکھیں، آیندہ جو مقدّر　　یا دوستی رہے گی یا دشمنی رہے گی
لوٹیں گی وہ نگاہیں ہر کاروانِ دل کو　　جب تک چلے گا رستا یہ رہ زنی رہے گی

جلا تھا دل جب کیا تھا نالہ، جلیں گے لب جب دعا کریں گے
جو وہ کیا تھا تو کیا کیا تھا، جو یہ کریں گے تو کیا کریں گے
عداوت ان کو ہے آج جس سے، اسی پہ کل مہربانیاں ہیں
جو دشمنی کر سکیں نہ پوری، وہ دوستی ہم سے کیا کریں گے

ہزار ہیں رنگ عاشقی کے جو اِن کو برتے وہ اِن کو جانے
تمھیں کو ہم بے وفا کہیں گے، تمھیں سے ہم التجا کریں گے
پیام بر کی مجال کیا تھی جو ان سے کہہ کر جواب لاتا
بہت سنیں ہم نے ایسی باتیں، بہت سی ایسی سنا کریں گے
ہوئے ہیں وہ خوگرِ جفا ہم، یہ کہتے پھرتے ہیں جا بجا ہم
جو کوئی ہم پر ستم کرے گا، ہم اس کے حق میں دعا کریں گے

نہ اترائیے، دیر لگتی ہے کیا
زمانے کو کروٹ بدلتے ہوئے
مرے جذبِ دل پر نہ الزام آئے
وہ آتے ہیں آنکھیں بدلتے ہوئے

وہ لیتے ہیں چٹکی دمِ گفتار ذرا سی
کیا دل کو مزا دیتی ہے تکرار ذرا سی
آتے تو چلے ہیں وہ مری راہ پہ لیکن
باقی ہے ابھی منزلِ دشوار ذرا سی
اندیشہ ہے اک صاحبِ تقویٰ کی نظر کا
مے چھوڑ دیا کرتے ہیں مے خوار ذرا سی
اس شانِ رحیمی نے بہت رنگ دکھایا
جس وقت جھکی چشمِ گنہ گار ذرا سی
زاہد مری خاطر سے مسلمان سمجھ کر
دل توڑ نہ، تو پی لے مرے یار ذرا سی

بلائے عشق تو دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
مرا رقیب بھی رو دیا گلے لگا کے مجھے
کہا یہ دل نے چلو آج کوئے قاتل میں
اجل کہاں سے کہاں لے گئی لگا کے مجھے
ستم تو یہ ہے کہ پھر اس خوشی کی قدر نہیں
تم اپنے دل میں ہو خوش کس قدر ستا کے مجھے

گلزارِ داغ

مجھ کو جنّت میں نہ راحت ہوگی
گر یہی دل، یہی قسمت ہوگی

اس برے حال پہ وہ کہتے ہیں
رنج و غم کی یہی صورت ہوگی

روبرو اس بدگماں کے ذکرِ عشق
میرے آگے آئی نادانی میری

بن گیا کعبہ وہی میرے لیے
ٹک گئی جس در پہ پیشانی مری

ہائے دل لے کر ترا نازو غرور
وائے دل دے کر پشیمانی مری

جب پانو تھکے تو جستجو کی
جب دل نہ رہا تو آرزو کی

مطلب کی کہی نہ ایک ظالم
کیا بات ہے تیری گفتگو کی

اُن کو ہے عدو سے وہ تمنّا
جس بات کی ہم نے آرزو کی

اللہ کو کیا جواب دوں گا
عادت ہے بُتوں سے گفتگو کی

اس خانہ خراب دل میں اے داغ
مٹّی ہے خراب آرزو کی

تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی
بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی

دل لے کے وہ اب جان طلب کرتے ہیں مجھ سے
یہ ایسی دھری ہے کہ اٹھائی نہیں جاتی

مے پی تو سہی تو یہ بھی ہو جائے گی زاہد
کم بخت، قیامت ابھی آئی نہیں جاتی

آنسو نہ پیے جائیں گے اے ناصحِ ناداں
ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہیں جاتی

گرتی ہے نشیمن پہ مرے کوند کے بجلی صیّاد کے گھر آگ لگائی نہیں جاتی
اے داغؔ کہا حالِ دل اس دشمنِ جاں سے ناداں! ترے دل کی صفائی نہیں جاتی

اشکِ خوں رنگ لائے جاتا ہے داغ اپنے جمائے جاتا ہے
کتنا باوضع ہے خیال اُس کا بے کسی میں بھی آئے جاتا ہے
ناامیدی مٹائے جاتی ہے شوق نقشہ جمائے جاتا ہے
وہ جدھر کو گئے اٹھا یہ شور وہ قیامت اٹھائے جاتا ہے
اس کا آنا تو درکنار اے داغؔ دل ہی قابو سے ہائے جاتا ہے

صورتِ وصل نہ نکلی کوئی بجز رنجشِ غیر وہ جو بگڑے ہوئے آئے ہیں تو بن آئی ہے

ہمارے قتل کی تدبیر روز واں ٹھہری یہ زندگی تو نہ ٹھہری، بلائے جاں ٹھہری
ہزاروں دفن ہوئے مجھ سے مضطرب یارب یہ کس طرح سے زمیں زیرِ آسماں ٹھہری
پڑھا دیے جو اسے چند حرفِ بے تابی پیام بر کے دہن میں نہ پھر زباں ٹھہری

کیجے اے قسمتِ برگشتہ تلاشِ دشمن
دوست کو ڈھونڈھتے ہیں ہم تو عدو ملتا ہے
خاک میں داغؔ ملاتے ہیں جو عزت تیری
مر بھی کم بخت کہ ایسوں ہی سے تو ملتا ہے

دشمنوں سے دوستی اغیاروں سے یاری چاہیے
خاک کے پتلے بنے تو خاکساری چاہیے

چار حرفِ آرزو ہی سن لو ساری رات میں
اور قصّے کے لیے تو عمر ساری چاہیے

دل پہ گر قابو نہیں اے داغ تو ہے جائے شکر
عاشقوں کے واسطے بے اختیاری چاہیے

حسرتیں لے گئے اس بزم سے چلنے والے
ہاتھ ملتے ہی اٹھے عطر کے ملنے والے

شرم آلودہ نگاہیں تو کریں گی بسمل
اب کوئی آن میں یہ تیر ہیں چلنے والے

گرمیِ صحبتِ اغیار کے شکوے پہ کہا
آپ اے داغ ہمیشہ کے ہیں جلنے والے

خزاں ہی دیکھ کے وحشت سی چھا گئی دل پر
ابھی نظارۂ فصلِ بہار باقی ہے

نہ دیکھی عیشِ گذشتہ کی پھر کبھی صورت
غلط کہ گردشِ لیل و نہار باقی ہے

جو یہ نہیں ہے تو کچھ بھی خلش نہیں باقی
جو عشق ہے تو غمِ بے شمار باقی ہے

دمِ اخیر ہے اے داغ توبہ کر توبہ
کہ روسیاہ ابھی اختیار باقی ہے

کچھ بھی اُلفت نے تری دل میں نہ چھوڑا باقی
رہ گئی ایک تمنّا ہی تمنّا باقی

صبح اُن مست نگاہوں کا نہ پوچھو عالم
جن میں تھا رات کا کچھ نشّۂ صہبا باقی

ہم نے جو کی وہ بری کی، یہ تو سچ ہے لیکن
تم تو اچھے ہو، چلو ہم سے وفا تم نے تو کی

رشکِ دشمن نہ اٹھا ہم سے، ہمیں تھے ناداں
دوستی ورنہ حقیقت میں ادا تم نے تو کی

لڑے ہیں غیر سے، غصّہ ہے مجھ پر
کوئی پوچھے تو میں نے کیا خطا کی
ابھی اقرار اس کا ہو چکا تھا
اِدھر دیکھو تو پھر ہم سے حیا کی
پھر اس بُت پر فدا ہیں حضرتِ داغؔ
قسم کھائی تھی کعبے میں خدا کی

منصفی دنیا سے ساری اٹھ گئی
اے بُتو ایمان داری اٹھ گئی
وائے دشمن ہو گیا سارا جہاں
ہائے رسمِ دوست داری اٹھ گئی
عشق نے بے باک آخر کر دیا
اب وہ شرمِ آہ وزاری اٹھ گئی

غنچۂ دل کے عوض تازہ ہوئے داغِ جنوں
کیا بہار آئی تھی دیوانہ بنانے کے لیے
پاس اپنے دل کے رہنے دیجیے میرا بھی دل
اک خوشی کو چاہیے، اک غم اٹھانے کے لیے
بعدِ محشر کیا یہ بُت بیکار ہی رہ جائیں گے
اک نہ اک فتنہ ہے لازم ہر زمانے کے لیے
زاہدِ صد سالہ آیا مے کدے میں بھول کر
لا شرابِ کہنہ ساقی، اس پرانے کے لیے
تم سے بچ کر اک وفا حصّے میں اپنے آگئی
تم نے خوبی کون سی چھوڑی زمانے کے لیے
مر گئے تو مر گئے، ہم عشق میں ناصح کو کیا
موت آنے کے لیے ہے، جان جانے کے لیے
داغؔ جنّت کو سدھارا کب، اسی کوچے میں ہے
دور جائے پاؤں کیوں اپنے تھکانے کے لیے

اس باغ میں ہے رنگِ شہادت ہی کی رونق
جو گل نے رکھا مُنہ پہ وہی دل میں حنا نے
مرتے ہیں ترے کوچے میں پامالِ محبت
گھر دیکھ لیا گلشنِ جنّت میں قضا نے

پڑ گئی کیوں کر الٰہی دل میں اس بُت کے گرہ
بچ گیا تھا کون سا عقدہ مری تقدیر سے
ہر سخن میں گرچہ تلو پہلو بچاتا ہوں مگر
آرزوئیں ٹپکی پڑتی ہیں مری تقریر سے

کیا بھیڑ مے کدے کے ہے در پر لگی ہوئی
پیاسو! سبیل ہے سرِ کوثر لگی ہوئی
یہ کس کی لَو ہے اے دلِ مضطر لگی ہوئی
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی
رکھّے قدم سنبھل کے رہِ عشق میں وہی
آگے بھی جس کو ہو کبھی ٹھوکر لگی ہوئی
ناقوس بُت کدے میں تو کعبے میں ہے اذاں
ہے یاد میرے دوست کی گھر گھر لگی ہوئی

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم
بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری
عدم آباد کو جاتے ہیں بشر خالی ہاتھ
مجھ کو ہے ناز کہ لے جاؤں گا حسرت تیری
یار غم خوار مرے حال کو سب پوچھتے ہیں
اور پھر پوچھ کے کہتے ہیں کہ قسمت تیری

قسمیں ہزار دو نہ بتائیں گے ہم کبھی
مانگی ہے جو دعا دلِ امّیدوار نے

عدم کہتے ہیں اس کوچے کو اے دل
اِدھر آ بے خبر جاتا کہاں ہے ؟
کہاں جاتا ہے قاصد اس کے در تک
خدا جانے وہ مر جاتا کہاں ہے ؟

عشق کا لطف غم سے اٹھتا ہے
غم جو اٹھتا ہے ہم سے اٹھتا ہے

فتنہ ان کے قدم سے اٹھتا ہے ہر قدم کس ستم سے اٹھتا ہے
اس کی کافر نگہ کے اٹھتے ہی شور دیر و حرم سے اٹھتا ہے

ہوئے مغرور وہ جب آہ میری بے اثر دیکھی
کسی کا اس طرح یارب نہ دنیا میں بھرم نکلے
رہِ الفت میں اک سیدھا سا رستہ ہم نے جانا تھا
مگر دیکھا تو اِس رستے میں صدہا پیچ و خم نکلے
کہیں کیا دل میں کیا آیا، کہیں کیا مُنہ سے کیا نکلا
کبھی جو چلتے پھرتے ہم سوئے بیت الصنم نکلے

ایسی باتوں سے تو بہتر ہے خموشی واعظ کہ تری ضد نے کیا اور گنہ گار مجھے
ہم نشیں، تجھ سے وہ میں خاک کہوں خلوت میں آج جو اس نے کہا ہے سرِ بازار مجھے

وعدۂ وصل کی تکرار نے ہم کو مارا فیصلہ خوب ہُوا بات کے بڑھ جانے سے
مجرمِ عشق کے ارمان نرالے دیکھے جرم کا حوصلہ بڑھتا ہے سزا پانے سے
خوں بہا کی ہے عبث فکر مرے قتل کے بعد اب دعا کیجیے، کیا فائدہ گھبراتے سے

لگ چلی بادِ صبا کیا کسی مستانے سے جھومتی آج چلی آتی ہے مے خانے سے
روح کس مست کی پیاسی گئی مے خانے سے مے اڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے

فکر ہے دوست کو احوال سناؤں کیوں کر
ٹکڑے ہوتا ہے کلیجہ مرے افسانے سے
ڈر ہے تاثیر نہ کر جائے کسی کی فریاد
کان بھر لیجیے پہلے مرے افسانے سے
دلِ برباد میں آباد ہوئے عشق وجنوں
کوئی بستی نہیں بہتر مرے ویرانے سے
کر دیا صاف الگ دل نے ہمیں الفت میں
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں بیگانے سے
ایک چلّو میں بہت داغؔ بہک اٹھے تھے
آج سنتے ہیں نکالے گئے مے خانے سے

تم سے کیا شکوہ، ہے گلہ اُس سے
جس نے رسمِ وفا نکالی ہے
داغؔ معجز بیاں ہے، کیا کہنا
طرز سب سے جدا نکالی ہے

جس سے جاں بر ہوں وہ تدبیرِ جفا کون سی ہے
موت کی کوئی بتائے کہ دوا کون سی ہے
گو برا ہوں مگر اچھا ہوں کہ چاہا تم کو
میری تقصیر ہے کیا، میری خطا کون سی ہے
کیا کہوں گا جو کہا اس نے کہ اچھا کہیے
بات اے داغؔ، محبت کے سوا کون سی ہے

رازِ الفت کا نہ ہر اک ہم نشیں سے پوچھیے
یہ ہمیں کچھ جانتے ہیں، یہ ہمیں سے پوچھیے
آپ کا حالِ گذشتہ میں کہوں گا ٹھیک ٹھیک
یاد ہے مجھ کو یہ افسانہ، کہیں سے پوچھیے
نیک و بد ہم نے زمانے کا بتایا بھی تو کیا
آپ کا جن پر یقیں ہے آپ انھیں سے پوچھیے

رنجِ وحشت سے جو واقف دلِ شیدا ہو جائے
داغ ارمان بنے، دردِ تمنّا ہو جائے

قابلِ رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی
پردے پردے ہی میں کم بخت جو رسوا ہو جائے

ہائے کہنا وہ کسی بُت کا دمِ نظّارہ
آنکھ بھر کر ہمیں دیکھے تو بس اندھا ہو جائے

بزم میں آپ بھی ہیں، دوست بھی ہیں، دشمن بھی
امتحاں آج جو ہونا ہے ہمارا ہو جائے

آسماں سے بھی شکایت نہ کروں میں کیا خوب
میرا چاہا تو نہ ہو، آپ کا چاہا ہو جائے

دشمنِ جاں نہ سہی آپ مسیحا ہی سہی
داغِ رنجور کسی طرح سے اچھا ہو جائے

مانا کہ عداوت ہی سہی غیر سے لیکن
اتنے بھی نہیں آپ کہ بے داد کریں گے

خاموش رہے وہ گلۂ غیر بھی سن کر
میں نے تو یہ جانا تھا کچھ ارشاد کریں گے

کتنے بے خوف و خطر ظلم و ستم کرتے ہیں
سچ تو یہ ہے کہ خدا کو یہ صنم بھول گئے

عشق کی راہ میں جب کافر و دیں دار آئے
سب کے سب داغ رہِ دیر و حرم بھول گئے

باہم دشمن بھی یک جا ہوں تو الفت ہو ہی جاتی ہے
یہ ہے مل بیٹھنا ایسا محبت ہو ہی جاتی ہے

دل بروں پر طبیعت آتی ہے
اس طرح، اس قدر نہیں آتی

دل کے لینے کی گھات ہے کچھ اور
یہ تجھے مفت بر نہیں آتی

حال معلوم ہے قیامت کا
بات کہنے میں پر نہیں آتی

لے گئے لوٹ کے اب شوکت و شانِ دہلی
پوربی پہلے اڑاتے تھے زبانِ دہلی

رشکِ شمشاد تھا ہر خوش قد ہر خوش رفتار
سروِ آزاد تھا ہر ایک جوانِ دہلی

عارضِ صاف تھا ہر ایک مصفّا بازار
چشمِ پُر جلوہ تھی ایک ایک دکانِ دہلی

گرمِ ہنگامہ ہوئے لالہ رخانِ پنجاب
گل کھلائے ہیں نئے تو نے خزانِ دہلی

اس سے بڑھ کر کوئی محشر میں نہیں طولِ حساب
بس یہی ہوگا کہ ہم اور بیانِ دہلی

آسماں پر سے بھی نوحے کی صدا آتی ہے
کیا فرشتے بھی ہوئے مرثیہ خوانِ دہلی

نیّرؔ و غالبؔ و آزردہؔ سے پھر لوگ کہاں
داغؔ اب یہ ہیں غنیمت، ہمہ دانِ دہلی

شوخی میں ان کی چھیڑ ہے کچھ اضطراب کی
گھر کر گئی وفا کسی خانہ خراب کی

اُس روئے بے نقاب کا جلوہ ہُوا نقاب
نکلی ہے رنگ رنگ سے صورت حجاب کی

جنبش میں یوں ہیں وہ لبِ نازک نفس کے ساتھ
جیسے ہلے نسیم سے پتّی گلاب کی

غصے نے اور رنگ ترا شوخ کر دیا
اچھی بنی بگاڑ میں صورت عتاب کی

گو چپ ہے پر یہ جنبشِ لب کہہ رہی ہے صاف
قاصد کے مُنہ میں پھرتی ہے شوخی جواب کی

در پردہ جوشِ حسن نے بے پردہ کر دیا
ٹوٹی گرہ تڑاق سے بندِ نقاب کی

بے درد ہیں جو درد کسی کا نہیں رکھتے
ایسے بھی ہیں یارب کہ تمنّا نہیں رکھتے

پروانہ و بلبل کو تو سب کہتے ہیں عاشق
کیا قہر ہے تم نام ہمارا نہیں رکھتے

سچ ہے کہ یوں ہی ڈوب گئیں اپنی وفائیں
ہم تم پہ کسی طرح کا دعوا نہیں رکھتے

تجھ سے جو عرضِ حال کرتا ہے
سچ تو یہ ہے کمال کرتا ہے

دل کو اس عاجزی سے دیتا ہوں
کوئی جانے سوال کرتا ہے
داغ سے اور مدعی اُلجھے
وہ تمھارا خیال کرتا ہے

زاہد بہ خدا کس کو یہاں عشق بتاں ہے
پر ضد سے تری اب جو نہیں بھی ہے تو ہاں ہے
سنتے ہیں خوشی بھی ہے زمانے میں کوئی چیز
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں کدھر ہے، یہ کہاں ہے
کس شکل چھپاؤں تجھے اے رازِ محبت
جو دل میں نہاں ہے وہی نظروں میں عیاں ہے
کیا پوچھتے ہو داغ کا تم ہم سے ٹھکانا
آوارہ ہے، سرگشتہ ہے، کیا جانے کہاں ہے

شبِ وصال قیامت تھی جب کسی نے کہا
وہ دیکھ صبح نمودار ہوتی آتی ہے
ازل کے دن سے ہے مٹی خراب عاشق کی
یہ مشتِ خاک یوں ہی خوار ہوتی آتی ہے
تمھیں نے داغ سزائے نہیں اٹھائے ستم
یونہی سلف سے مرے یار ہوتی آتی ہے

نہ دیا خواہشِ آرام نے آرام کہیں
مجھ کو کھینچے مری راحت طلبی پھرتی ہے
غیر کے رنج کی مجھ کو نہ خوشی کیوں کر ہو
آپ کیا پھرتے ہیں تقدیر مری پھرتی ہے

نہ آئے محبت کے کوچے میں خضر
خدا جانے کیوں کر بسر ہوگئی
ستم ہوگیا، رازِ دل کھل گیا
چھپاتے چھپاتے خبر ہوگئی
فرشتے ہوں مخبر تو کیا کیجیے
یہاں بات کی، واں خبر ہوگئی

وہاں جھوٹے وعدے پہ لب ہل گیا — توقع یہاں کس قدر ہو گئی
دکھا دیں گے اے دل تجھے روزِ حشر — کہ ساری خدائی اُدھر ہو گئی

قول تیرا، شوق میرا چاہیے — جھوٹ سچ کے واسطے کیا چاہیے
اے فلک سامانِ محشر ہی سہی — اپنی آنکھوں کو تماشا چاہیے
گو تری نظروں سے کل ہی گر پڑیں — آج تو کوئی سہارا چاہیے
کیجیے تیغِ تبسّم سے ہلاک — جور بھی اچھوں کا اچھا چاہیے
کیوں نہ چھائے مے کشوں کے سر پہ ابر — کچھ گنہ گاروں کا پردا چاہیے
تیرے جلوے کا تو کیا کہنا مگر — دیکھنے والے کو دیکھا چاہیے

ہم نے تقلیدِ خضر کی لیکن — چلتے پھرتے بھی تو بسر نہ ہوئی
تارے گنتے ہو شام سے شبِ وصل — کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی
دلِ ویراں میں دم رہا قائم — کبھی یہ شے اِدھر اُدھر نہ ہوئی
شبِ فرقت کے جاگنے والے — ایسے سوئے کہ پھر خبر نہ ہوئی
اس نزاکت سے قول اس نے دیا — ہاتھ کی ہاتھ کو خبر نہ ہوئی
وعدہ اس نے کیا، وفا نہ کیا — دل کو تسکیں ہوئی مگر نہ ہوئی

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں — اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے
سکندر آئنے سے، جام سے جم خوش نہ ہو اتنا — کوئی مے کش کو دیکھے ہاتھ جب پیمانہ آتا ہے
وہی جھگڑا ہے فرقت کا، وہی قصہ ہے الفت کا — تجھے اے داغؔ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے

جب کہی دار پہ منصور نے اپنی ہی کہی
میں نے تا روزِ جزا بات نباہی تیری

ناصحا کہہ دے محبت میں خدا لگتی کچھ
مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

نظر آئے نہ مجھے بعدِ فنا شکلِ عذاب
اتنی گہری تو ہو اے قبر سیاہی تیری

سچ تو یہ ہے کہ بُرا حال، برا ہوتا ہے
غیر نے مجھ سے کہا ہائے تباہی تیری

ہائے وہ جان بچانے کا زمانہ نہ رہا
اب تو اس بات کا رونا ہے کہیں دل آئے

خانۂ غیر کی آرائش و زیبائش کیا
سوچ لیجے کہیں دوزخ بھی اِرم ہوتا ہے

چوٹ دل کی وہیں ابھر آئی
جب ہنسی آئی آنکھ بھر آئی

تھی شبِ وصل کس قدر کوتاہ
شام گزری کہ بس سحر آئی

مطلب کی تم سنو تو ذرا کوئی کچھ کہے
جب بے سنے خفا ہو تو کیا کوئی کچھ کہے

بندے ہیں ہم تو عشق کے اے شیخ و برہمن
پروا نہیں، ہمیں بہ خدا، کوئی کچھ کہے

کم بخت، نامراد تو مدت سے ہے خطاب
جی چاہتا ہے اس سے سوا کوئی کچھ کہے

اے داغ اس کی بزم میں ہم گل کھلائیں گے
اس کا ہے انتظار ذرا کوئی کچھ کہے

مرے کوچے میں وہ کن شوخیوں سے جا بجا ٹھہرے
بڑھے، بڑھ کر تھمے، دم بھر چلے، چل کر ذرا ٹھہرے

تغافل کی نہ ٹھہرے آج قاتل فیصلا ٹھہرے
نہیں تلوار تو فقرہ کوئی چلتا ہوا ٹھہرے

تسلّی دل کو جو دیتے ہیں کیسے لوگ ہیں یارب
جگر ہی جب نہ ٹھہرے تو جگر پر ہاتھ کیا ٹھہرے

مسیح و خضر کو یکتا ہیں دونوں، ہم تو جب جانیں
جو دل گرتا ہوا سنبھلے تو دم جاتا ہوا ٹھہرے

ترے وعدے کو بُتِ حیلہ جو، نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے، کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

بھلا ہو پیرِ مغاں کا ادھر نگاہ ملے
فقیر ہیں، کوئی چُلّو خدا کی راہ ملے

کہاں تھے رات کو، ہم سے ذرا نگاہ ملے
تلاش میں ہو کہ جھوٹا کوئی گواہ ملے

فلک کی طرح جفائیں نہ کیجیے ہر روز
اسی کی قدر ہے نعمت جو گاہ گاہ ملے

گردشِ چشم بلا، شوخیِ رفتار غضب
ایسے چلتے ہوئے فتنے اسی عالم میں رہے

شوق میں ایک فتنہ قامت کے
ہم گلے مل گئے قیامت کے

دل میں مضمون یاس و حسرت کے
بن گئے نقش لوحِ تربت کے

بُت کدہ ٹوٹ کر بنے کعبہ
کارخانے ہیں اُس کی قدرت کے

یاد رہ جائے گی جفا تیری
دن گزر جائیں گے مصیبت کے

اس نے پوچھا، مزاج کیسا ہے
رنگ اب دیکھنا طبیعت کے

وہ نزاکت سے تھم گئے چل کر
لو قدم گڑ گئے قیامت کے
آئنہ دیکھ کر یہ کہنے لگے
دو نہیں ہوتے ایک صورت کے
آئی تیشے سے یہ صدا پیہم
کوہ کن! کام ہیں یہ فرصت کے
اپنے بدلے رقیب کو بھیجا
یہ نئے ڈھنگ ہیں عیادت کے
داغ سا دوسرا نہ دیکھو گے
گل ہزاروں ہیں ایک صورت کے

خدا کرے نہ کسی کا امیدوارِ وصال
دعائیں مانگتے ہیں ترکِ مدعا کے لیے
بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہے، چپ رہو خدا کے لیے
غرض جہان سے کیا اے فلک مرے ہوتے
غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لیے
اثر تو لوٹ لیا بات بات نے تیری
رہا نہ کچھ بھی مری عرضِ مدعا کے لیے
شریر آنکھ، نگہ بے قرار، چتون شوخ
تم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لیے
ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی
عجیب چیز ہے یہ طولِ مدعا کے لیے
کسی زمانے میں گستاخ ہم بھی تھے، اب تو
زباں ہے بہرِ ستایش، دل التجا کے لیے
نہیں ضرور کہ اس کی کوئی خطا ہی کرے
بہانہ چاہیے کیا ظلمِ ناروا کے لیے
نیا ستم ہے، ستم گر نے قتل پر میرے
کیا ہے جمع رقیبوں کو مرحبا کے لیے

گر ایک بھی ہزار میں وہ مان جائیں گے
ہم اے پیام بر ترے قربان جائیں گے
مجنوں کا حال سن کے پریشان ہو گئے
میری اگر سنو گے تو اوسان جائیں گے
میں لاکھ پہلوؤں سے کروں عرضِ مدعا
پہچاننے کی بات وہ پہچان جائیں گے

منزلِ عیش نہیں ہے یہ سرائے فانی — رات کی رات ٹھہر جائیں، ٹھہرنے والے
غنچہ و گل میں دھرا کیا ہے بتا اے بلبل — جمع ہیں چند ورق، وہ بھی بکھرنے والے
رندِ مے خوار ہیں، پیتے ہیں پلا کر ورنہ — اپنی دوزخ کو بھرا کرتے ہیں بھرنے والے
آپ محشر میں بنیں قول کے سچے، کیا خوب — انگلیاں اٹھیں گی، وہ آئے مکرنے والے
گالیاں غیر کو دیتا ہوں، سنو تم خاموش — میں بھی دیکھوں تو بڑے بات نہ کرنے والے
عمر بھر حسنِ خداداد رہا کرتا ہے — دو گھڑی بعد بگڑتے ہیں سنورنے والے
داغؔ کہتے ہیں جنھیں، دیکھیے وہ بیٹھے ہیں — آپ کی جان سے دور، آپ پہ مرنے والے

راہ دیکھیں گے نہ دنیا سے گزرنے والے — ہم تو جاتے ہیں، ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے
ایک تو حسن بلا اُس پہ بناوٹ آفت — گھر بگاڑیں گے ہزاروں کا، سنورنے والے
کیا جہانِ گذراں میں بھی لگی ہے گذری — مول لے جاتے ہیں غم یاں سے گزرنے والے
قتل ہوں گے ترے ہاتھوں سے خوشی اس کی ہے — آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے
ہے وہی قہر وہی جبر وہی کبر و غرور — بت خدا ہیں مگر انصاف نہ کرنے والے

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے — جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے
کس طرح چین مجھ کو دلِ بے قرار دے — تم اختیار دو، نہ خدا اختیار دے

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری — غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری
خوب تقدیر کی خوبی نے کیا ہے برباد — جا بہ بجا مجھ کو لیے پھرتی ہے شہرت میری
حشر میں تجھ سا جفا کار، خدا سا منصف — دل سا انصاف طلب، اور شہادت میری

جب کوئی فتنہ زمانے میں نیا اٹھتا ہے
وہ اشارے سے بتا دیتے ہیں تربت میری

جس طرح تو میری آغوش سے نکلا اے شوخ
یونہی ہاتھوں سے نکلتی ہے طبیعت میری

کہیں دنیا میں نہیں اس کا ٹھکانا اے داغ
چھوڑ کر مجھ کو کہاں جائے مصیبت میری

یوں تو برسوں نہ پلاؤں نہ پیوں اے زاہد
توبہ کرتے ہی بدل جاتی ہے نیت میری

تم نہیں غیر سہی، غیر نہیں چرخ سہی
اک نہ اک فتنہ لگا رکھتی ہے قسمت میری

وہ دبے پاؤں چلیں حشر کے ڈر سے، توبہ !
فکر ہے، چال اڑا لے نہ قیامت میری

اپنی تصویر پہ نازاں ہو، تمھارا کیا ہے
آنکھ نرگس کی، دہن غنچے کا، حیرت میری

موت آئی ہوئی ٹل جائے، یہ آئی نہ رکے
الاماں داغ ! قیامت ہے طبیعت میری

بعد میرے کیوں نویدِ وصلِ یار آنے کو تھی
وہ چمن ہی لٹ گیا جس میں بہار آنے کو تھی

میرے مرنے کی خبر سن کر کیا مشکل سے ضبط
اُن کے ہونٹوں پر ہنسی بے اختیار آنے کو تھی

آسماں پھرتا رہا ہے مضطرب وعدے کی رات
کون سی مجھ تک خوشی پروردگار آنے کو تھی

صبر آتا دیکھ کر ظالم نے پھر تڑپا دیا
میرے قابو میں طبیعت اب کی بار آنے کو تھی

وہ آئے خندہ پیشانی کہیں سے
تبسم ہے عیاں چینِ جبیں سے

اسے افسانۂ غم ڈرتے ڈرتے
سنایا کچھ کہیں سے، کچھ کہیں سے

بنایا تجھ کو اور ایسا بنایا
کہے کیا کوئی صورت آفریں سے

تمھی بیدادگر، اللہ کی شان
جفا کی داد میں چاہوں تمھیں سے

مری بربادیوں کی مشورت کو
فلک چھپ چھپ کے ملتا ہے زمیں سے

ڈھلا سارا بدن سانچے میں گویا
ذرا اترا نہیں ظالم کہیں سے

پڑا ہوں مُنہ لپیٹے مے کدے میں حجاب آتا ہے مجھ کو اہلِ دیں سے
کبھی دیکھا ہے استاد آغ کو خوش چلے آتے ہیں یہ حضرت وہیں سے

وہ جو بولیں تو بات جاتی ہے چُپ رہوں میں تو رات جاتی ہے
مے کے پینے سے کر تو لوں توبہ آرزوے نجات جاتی ہے
کیا کروں داغ وصل میں شکوہ بات کہنے میں رات جاتی ہے

وعدہ کرنے کا اختیار رہا بات کرنے میں کیا برائی ہے
داغ ان سے دماغ کرتے ہیں نہیں معلوم کیا سمائی ہے

پاسباں نے مرے دھوکے میں عدو کو روکا حکم تھا ان کا' وہ آئے یہ نہ آنے پائے
ہم نے اپنا دلِ گم گشتہ نہ پایا کھوکر ورنہ یاں ڈھونڈتے والوں نے خزانے پائے
حور کے واسطے زاہد نے عبادت کی ہے سیر تو جب ہے کہ جنّت میں نہ جانے پائے

آسماں دشمنِ اربابِ ہنر ہوتا ہے شکر صد شکر کہ آتا نہیں کچھ کام مجھے
داغ یہ بات وہ سن لے تو غضب ٹوٹ پڑے کہتے پھرتے ہو' بلایا ہے سرِ شام مجھے

کہتے ہیں دیکھ کر وہ مہِ مصر کی شبیہ اچھی ہے ایک شکل حسیں اپنے طور کی

نہ سمجھا عمر گزری اس بتِ خود سر کو سمجھاتے
پگھل کر موم ہو جاتا اگر پتھر کو سمجھاتے
ہماری کون سنتا ہے وگرنہ ہم دمِ رخصت
اِدھر کچھ دل کو سمجھاتے اُدھر دلبر کو سمجھاتے

لائے گی پیچ زلفِ پریشاں نئے نئے
یہ سادگی دکھائے گی ساماں نئے نئے
ان بدگمانیوں کا مزہ دل سے پوچھیے
مجھ کو گمان تھے شبِ ہجراں نئے نئے
گو جھوٹ جانتا ہوں مگر یہ بھی لطف ہے
ہوتے ہیں روز وعدہ و پیماں نئے نئے

آشفتگی کسی کی اثر کچھ تو کر گئی
بن بن کے رخ پہ زلف تمھاری بکھر گئی
کیا کہیے کس طرح سے جوانی گزر گئی
بدنام کرنے آئی تھی، بدنام کر گئی
نیرنگِ روزگار سے بدلا نہ رنگِ عشق
اپنی ہمیشہ ایک طرح پر گزر گئی
زاہد شرابِ ناب کی تاثیر کچھ نہ پوچھ
اکسیر ہے جو حلق کے نیچے اُتر گئی
رہتی ہے کب بہارِ جوانی تمام عمر
مانندِ بوئے گل اِدھر آئی، اُدھر گئی

زاہد کو بندگی کا نتیجہ تو مل گیا
گردن خمیدہ یادِ الٰہی میں رہ گئی

کیا طرزِ کلام ہو گئی ہے
ہر بات پیام ہو گئی ہے
کچھ زہر نہ تھی شرابِ انگور
کیا چیز حرام ہو گئی ہے!

لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دلِ بے مدّعا دیا تو نے

بے طلب جو ملا، ملا مجھ کو
بے غرض جو دیا، دیا تو نے
داغ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا، دیا تو نے

ایک دن مان ہی جاؤ گے ہمارا کہنا
تم کہے جاؤ یہی، تیری حقیقت کیا ہے؟
آدمی کو ہے یہی گوشۂ راحت کافی
گھر کرے دل میں جو انسان تو جنت کیا ہے؟
کیا کہوں، کس سے کہوں دل کی حقیقت اے داغ
سب یہی پوچھتے ہیں، کہیے تو حضرت کیا ہے؟

تڑپنے سے دلِ بے تاب کوئی غم نکلتا ہے
ٹھہر جا، صبر کر، مضطر نہ ہو، کیوں دم نکلتا ہے
تلون اس قدر اے داغ، پھر یہ صبر کے دعوے
گھڑی میں توبہ کرتے ہو، گھڑی میں دم نکلتا ہے

فسردہ دل کبھی خلوت نہ انجمن میں رہے
بہار ہو کے رہے ہم تو جس چمن میں رہے
مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ
خدا کرے غلطی کچھ مرے سخن میں رہے
زبان دے نہ عدو کو کہ یہ تو وہ شے ہے
ترے دہن میں رہے یا مرے دہن میں رہے
مسافری میں جب آرام پاؤ گے اے داغ
کہ تم سفر میں رہو آسماں وطن میں رہے

چھپا کیوں چاند بدلی میں شبِ وصل
اِسے آئی حیا مجھ سے کہ تم سے
مرا کہنا نہ مانا داغ تم نے
انھوں نے کی دغا مجھ سے کہ تم سے

حسرتیں دل کی مٹی جاتی ہیں
قافلہ ہے کہ لٹا جاتا ہے
داغ کو دیکھ کے بولے یہ شخص
آپ ہی آپ جلا جاتا ہے

اے داورِ حشر کل کہوں گا
دن کم ہے یہ داستاں بہت ہے

دل تنگ سہی پرائے تمنّا
مر رہنے کو یہ مکاں بہت ہے

انکار رقیب سے بھی ہو گا
یہ فقرہ تمھیں رواں بہت ہے

الفت میں نہیں ہے صبر نایاب
یہ چیز مگر گراں بہت ہے

باطن کی خبر خدا کو ہے داغ
ظاہر میں وہ مہرباں بہت ہے

کعبے کی ہے ہوس کبھی کوے بتاں کی ہے
مجھ کو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے

پیغامبر کی بات کا آپس میں رنج کیا
میری زباں کی ہے نہ تمھاری زباں کی ہے

کچھ تازگی ہو لذتِ آزار کے لیے
ہردم مجھے تلاش نئے آسماں کی ہے

حسرت برس رہی ہے ہمارے مزار پر
کہتے ہیں سب یہ قبر کسی نوجواں کی ہے

وقتِ خرام ناز دکھا دو جدا جدا
یہ چال حشر کی، یہ روش آسماں کی ہے

قاصد کی گفتگو سے تسلّی ہو کس طرح
چھپتی نہیں وہ بات جو تیری زباں کی ہے

سن کر مرا فسانۂ غم اس نے یہ کہا
ہو جائے جھوٹ سچ، یہی خوبی بیاں کی ہے

کیوں کر نہ آئے خلد سے آدم زمین پر
موزوں وہیں وہ خوب ہے جو شے جہاں کی ہے

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

غم اٹھانے کے واسطے دم ہے
زندگی ہے اگر تو کیا غم ہے

آئے ہیں وہ رقیب کے گھر سے
اک خوشی ہے تو ایک ماتم ہے

کہتے ہیں کچھ کہو، کہوں کیا خاک
جانتا ہوں مزاج برہم ہے

کیا نئے دوستوں سے بگڑے آج
دشمنوں کا کچھ اور عالم ہے

یادگارِ داغ

یہ کیا کہا کہ میری بلا بھی نہ آئے گی
کیا تم نہ آؤ گے تو قضا بھی نہ آئے گی
قاصد کا انتظار عبث، یہ یقین ہے
مجھ تک تو اُس طرف کی ہوا بھی نہ آئے گی
زاہد سے کہہ دو رنج و مصیبت کی کر دعا
اِس کے بغیر یادِ خدا بھی نہ آئے گی
خوش ہوں کہ وہ خیال میں لاتے نہیں مجھے
ان کی سمجھ میں میری خطا بھی نہ آئے گی
کہنے گئے تھے حال مگر یہ خبر نہ تھی
مطلب کی بات لب پہ ذرا بھی نہ آئے گی
عاشق تمہیں سکھاتے ہیں اندازِ دلبری
گر دل نہ آئے گا تو ادا بھی نہ آئے گی

نامہ بر ہے بنی بنائی بات
چُوک تجھ سے اگر نہ ہو جائے
دل ہے خواہانِ لذّتِ بے داد
کیوں وہ بے داد گر نہ ہو جائے
مرگِ دشمن کی کیا دعا مانگوں
کہیں اُلٹا اثر نہ ہو جائے
ہیں قیامت کے خواستگار بہت
وقت سے پیشتر نہ ہو جائے

زمانہ بُتوں پر فدا ہو رہا ہے
خدا کی خدائی میں کیا ہو رہا ہے
خدا شرم رکھ لے مری عاشقی کی
وہاں امتحانِ وفا ہو رہا ہے

جاتا ہے کون، کوئی وہاں جا کے کیا کرے
اک چھیڑ ہم کو مدِّ نظر پاسباں سے ہے
باہم ہو جب نفاق۔ بڑھے کیوں نہ گفتگو
دل کو ہے دل سے لاگ، زباں کو زباں سے ہے
پیری میں داغ جوشِ مضامیں ہے رنگ پر
اس باغ کی بہار ہماری خزاں سے ہے

دن گزارے عمر کے انسان ہنستے بولتے ‌ جان بھی نکلے تو میری جان! ہنستے بولتے
مجھ کو مجبوری نہ تھی، اس کی زبردستی نہ تھی ‌ لے گیا کافر مرا ایمان، ہنستے بولتے
میں ہنسا بولا اگر تم سے تو کیوں برہم ہوئے ‌ کیا نہیں انسان سے انسان ہنستے بولتے
شوخیِ تقریر اس کی لے گئی دل لوٹ کر ‌ باتوں باتوں میں ہوا نقصان ہنستے بولتے
چپ کھڑی روتی ہے تو اے شمعِ محفل رات بھر ‌ کاش ہو مشکل تری آسان ہنستے بولتے
نکتہ چیں ہے غیر اے دل، اور وہ نازک مزاج ‌ ایسے موقع پر نہیں نادان ہنستے بولتے
آسماں برسوں رلاتا ہے، لگا دیتا ہے چپ ‌ دیکھ لیتا ہے اگر اک آن ہنستے بولتے
انقلابِ دہر سے باقی نہیں ایسا مقام ‌ چار مل کر جس جگہ انسان ہنستے بولتے
غیر کا مذکور خلوت میں یکایک آگیا ‌ ناگہاں آفت میں آئی جان، ہنستے بولتے

گر ہو سلوک کرنا، انسان کر کے بھولے ‌ احسان کا مزا ہے، احسان کر کے بھولے
وعدہ کیا پھر اس پر تم نے قسم بھی کھائی ‌ کیا بھول ہے کہ ایسا پیمان کر کے بھولے

طبع بگڑی ہوئی ظالم کی سنبھالی نہ گئی ‌ جو گرہ دل میں پڑی پھر وہ نکالی نہ گئی
یاد آتے رہے دنیا کے حسیں، شوخ و شریر ‌ خلد میں بھی مری آشفتہ خیالی نہ گئی
فیض کیا پیرِ مغاں کا ہے کہ اُس کے در پر ‌ جتنی مخلوقِ خدا آئی وہ خالی نہ گئی
بات مطلب کی رہی دل ہی میں اس کے آگے ‌ لب تک آئی تو سہی مُنہ سے نکالی نہ گئی
خاک بھی اپنی رہی دوشِ ہوا پر ہی سوار ‌ کبھی پستی کی طرف ہمّتِ عالی نہ گئی

مرے جاتے ہیں تیری بے وفائی دیکھنے والے ‌ چراغِ صبح ہیں شامِ جدائی دیکھنے والے
جنابِ شیخ کی حالت تو اب ہے دید کے قابل ‌ ذرا رندی بھی دیکھیں پارسائی دیکھنے والے

ہوش آتے ہی حسینوں کو قیامت آئی ‌ آنکھ میں فتنہ گری، دل میں شرارت آئی

کیا تصور ہے نہایت مجھے حیرت آئی
آئینے میں بھی نظر تیری ہی صورت آئی

اب اُسی پر تو ہے تاکید وفاداری کی
جب گیا جان سے مَیں غیر کی شامت آئی

جذبِ دل کھینچ ہی لایا انھیں میرے در تک
پانْو پڑتی ہوئی ہر چند نزاکت آئی

اک وار نظر پر نگہِ یار سے ہو جائے
تلوار کا جو کام ہے تلوار سے ہو جائے

پھر کون سی امّید رہی لطف و کرم کی
جب فیصلہ ہی آپ کے انکار سے ہو جائے

تم لطف کرو جان دیے دیتے ہیں عاشق
جو قہر سے ہو کام وہی پیار سے ہو جائے

اس بات پہ کیوں جمتے نہیں حضرتِ واعظ
بخشش کی یہاں شرط گنہ گار سے ہو جائے

افسانہ مرا سن کے وہ بولے تو یہ بولے
کچھ اپنی سمجھ میں یہ کہانی نہیں آتی

اس داغ کو مرجھائے ہوئے پھول سے پوچھو
پیری میں کسے یاد جوانی نہیں آتی

ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے
دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے

رات دن پھرتا ہے کیوں اے چرخِ پیر
تیرے دن ہیں راحت و آرام کے

اس نزاکت کا بُرا ہو، بزم سے
اٹھتے ہیں وہ دستِ دشمن تھام کے

اب اُتر آئے ہیں وہ تعریف پر
ہم جو عادی ہو گئے دشنام کے

دعویِ عشق و وفا پر یہ کہا
سب بجا، لیکن مرے کس کام کے

ہے گدائے میکدہ بھی کیا حریص
بھر لیے جھولی میں ٹکڑے جام کے

داغ کے سب حرف لکھتے ہیں جُدا
ٹکڑے کر ڈالے ہمارے نام کے

مجھ کو محفل سے اُٹھایا تو رقیبوں سے کہا — ایسے ہوتے ہیں پشیمان، بڑی مشکل سے
جب کسی زلفِ پریشاں کا خیال آتا ہے — جمع پھر ہوتے ہیں اوسان، بڑی مشکل سے

چل سکے گا کیا، نہ جس میں دم رہے — تم چلے اے جانے والو! ہم رہے
وہ رہیں خوشیاں نہ ویسے غم رہے — یاد کرنے کے لیے اب ہم رہے
کیوں نہ تیری یاد تیرا غم رہے — جب ذرا سے دل میں اک عالم رہے
بے نیازی کی کچھ آخر حد بھی ہے — گردنِ تسلیم کب تک خم رہے
اس کو کھو کر پائی ہے راحت بہت — دل رہا جب تک، ہزاروں غم رہے
شوق میں جنّت کے ہے مٹّی خراب — چین سے دنیا میں کیا آدم رہے

برپا نہ ہو کیوں فتنہ ہر اک شوخ حسیں سے — اِن پُتلوں کی خلقت ہے قیامت کی زمیں سے
دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو، جہنم ہو کہ جنت — دلوائے خدا اِک بتِ طنّاز کہیں سے
سر کاٹ کے رکھ دوں گا رہِ دوست میں اپنا — سجدہ مجھے کرنا نہیں آتا ہے جبیں سے

یہ پوچھو دل سے شرمیلی نگاہِ یار کیسی ہے — کرے جو میان ہی میں کام وہ تلوار کیسی ہے
تمھاری چال کی ہم مٹنے والے داد کیا دیں گے — قیامت سے ذرا پوچھو، مری رفتار کیسی ہے
رہا جاتا ہے دل سے حرفِ مطلب لب تک آ آکر — ذرا سی بات ہے لیکن مجھے دشوار کیسی ہے

مرے کلیجے میں لیتے ہیں چٹکیاں کیسی — وفا کے نام پہ کہتے ہیں وہ کہاں، کیسی
وہ چھیڑ چھاڑ سے کیا باز آنے والا ہے — یہ آپ داغ کو دیتے ہیں دھمکیاں کیسی

دل رکھ تو دیا ہے نگہِ یار کے آگے ۔۔۔ اُف کر نہیں سکتا ہوں خریدار کے آگے
آتی نہیں اب تک اسی باعث سے قیامت ۔۔۔ کیا پیش چلے گی تری رفتار کے آگے

خوشی میں ہم نے یہ شوخی کبھی نہیں دیکھی ۔۔۔ دمِ عتاب جو رنگت تری نکلتی ہے
ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل ۔۔۔ دعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے
یہ دل کی آگ ہے یا دل کے نور کا ہے ظہور ۔۔۔ نفس نفس میں مرے روشنی نکلتی ہے
مرے نکالے نہ نکلے گی آرزو میری ۔۔۔ جو تم نکالنا چاہو، ابھی نکلتی ہے
غمِ فراق میں ہو داغ اس قدر بے تاب ۔۔۔ ذرا سے رنج میں جان آپ کی نکلتی ہے

مذکور داغ ہی کا ہر اک انجمن میں ہے ۔۔۔ اس پھول کی بہار ہزاروں چمن میں ہے
غربت کا سامنا مجھے یوں بھی وطن میں ہے ۔۔۔ میں اپنے گھر میں اور دل اس انجمن میں ہے
اقرار تھا ابھی، ابھی انکار ہو گیا ۔۔۔ کیا دوسری زباں بھی تمھارے دہن میں ہے
پڑھتے ہیں شعر داغ کے وہ بات بات پر ۔۔۔ کیا جانے بات کون سی اُس کے سخن میں ہے

شریکِ غم و عیش ہیں دیدہ و دل ۔۔۔ یہی ہنسنے والے، یہی رونے والے
عدم کو چلے دل میں رکھ کر بتوں کو ۔۔۔ یہ پتھر ہیں دنیا سے ہم ڈھونے والے
بڑھا کر گھٹانا نہیں اپنا شیوہ ۔۔۔ یہ آزار ہیں کوئی کم ہونے والے

بہت ہیں تجھے بے وفا کہنے والے ۔۔۔ کہیں چوکتے ہیں برا کہنے والے

کہا عرضِ مطلب پہ اُس نے بگڑ کر — بڑے آئے یہ مدّعا کہنے والے
یہ کہہ کر کیا اس نے شرمندہ مجھ کو — سلامت رہیں بے وفا کہنے والے

کب تری طرح میسّر ہوئے دنیا کے مزے — کھول کر آنکھ فقط حور نے جنّت دیکھی
حسن کی فتنہ گری سے نہیں خالی کوئی — ہم نے مٹّی کے بھی پتلے میں شرارت دیکھی
مُنہ دکھانے کی جگہ اب مجھے باقی نہ رہی — آئنہ دیکھ کے اس نے مری صورت دیکھی

برا کیوں کر کہیں اس کو جسے ہم کہہ چکے اچھا — مگر سن لو تمھیں خلقِ خدا کچھ اور کہتی ہے
طبیعت ہوگئی بے چین، لا ساغر پلا ساقی — کہاں کی توبہ، ساون کی گھٹا کچھ اور کہتی ہے
مے و معشوق سے توبہ کرے گا داغؔ تو، توبہ — تری نیّت تو اے مردِ خدا کچھ اور کہتی ہے

کچھ آپ کو بھی قدر ہماری وفا کی ہے — ہم آپ کے ہیں، ساری خدائی خدا کی ہے
ایک آنکھ میں حیا تو شرارت ہے ایک میں — یہ شرم ہے غضب کی وہ شوخی بلا کی ہے
بے اختیار آئے طبیعت تو کیا علاج — طوفان ہے غضب کا، یہ آندھی بلا کی ہے

حرفِ مطلب کہا تو کیوں بگڑے — بات کہنے میں کیا نہیں آتی
غنچۂ دل کھِلے تو خاک کھِلے — اِس کلی تک ہوا نہیں آتی

یارب خبرِ مرگِ عدو جھوٹ نہ نکلے — جو میں نے سُنا ہے اسے آنکھوں سے دکھا دے
دل سے مہِ کامل کے یہ کاہش کوئی پوچھے — اللہ کسی کو بھی بڑھا کر نہ گھٹا دے

ترے چھپائے دغا کی نظر نہیں چھپتی — یہ چور آنکھ تو اے فتنہ گر نہیں چھپتی

یہ سیر ہے کہ دوپٹّا اڑا رہی ہے صبا　　وہ جب چھپاتے ہیں سینہ کمر نہیں چھپتی

نہیں معلوم کیا کہتی ہے خلقت　　یہ ہیں چرچے اِدھر کے یا اُدھر کے
جنابِ داؔغ اب سنبھلیں گے کیا خاک　　کہ یہ بگڑے ہوئے ہیں عمر بھر کے

کہتے ہیں کس کو داؔغ یہ کیا آپ نے کہا　　لے دل میں چٹکیاں، یہ اُسی کا کلام ہے

لے گئے آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ دل　　ہوشیاری اپنی؛ غفلت ہو گئی
وہ جو تجھ سے دوستی کرنے لگا　　مجھ کو دشمن سے محبّت ہو گئی
سُن کے حالِ دل، تغافل دیکھنا　　کوئی یہ جانے ندامت ہو گئی
طالبِ بخشش الٰہی سے کیوں ہے دل　　کیا گنہ کرنے سے فرصت ہو گئی؟
صبحِ فرقت ایک دم میں کچھ نہ تھا　　زندگی کیا بے مروّت ہو گئی!

جلوۂ دیدار نے بے خود کیا　　حسرتِ دیدار باقی رہ گئی
بارہا اس نے صفائی ہم سے کی　　کچھ خلش ہر بار باقی رہ گئی
مرحلے طے عشق کے اکثر ہوئے　　منزلِ دشوار باقی رہ گئی

داؔغ کا دل ہو گیا دنیا سے سرد
گرمیِ اشعار باقی رہ گئی

دیکھ کر وہ داغؔ کی تصویر یہ کہنے لگے
آدمی اچھا ہے اچھی ہو اگر تقدیر بھی

وہ تجھے سجدہ کرتے ہیں، جو کہیں حق
بادشہ کو سلام کون کرے
بڑھتی جاتی ہے روز دل کی ہوس
ساری دنیا کا کام کون کرے
شوق رہ بر ہے، پاس ہے منزلؒ
بیچ رستے میں شام کون کرے

وہاں گیا بھی نہیں، ان سے کچھ کہا بھی نہیں
ابھی سے جان تری پاسباں نکلتی ہے
یہ بات کیا ہے کہ جس بات کا ہے اندیشہ
وہی زباں سے وہاں ناگہاں نکلتی ہے
جبیں کے بل بھی مٹیں، پیچ زلف کے بھی کھلیں
گرہ پڑی ہوئی دل کی کہاں نکلتی ہے

کیا مسیحا آسماں پر ہیں مقیم
کیا فرشتوں کو بھی کچھ آزار ہے
میں تو مرتا ہوں بتوں پر واقعی
تجھ پر اے زاہد خدا کی مار ہے
اور سب آسانیاں ہیں عشق میں
آدمی کی زندگی دشوار ہے

نامرادوں کی بھی پوری کہیں ہوتی ہے مراد
میری کشتی وہیں ڈوبی ہے جہاں ساحل ہے
زندگی عشق میں دشوار ہے سب کہتے ہیں
بدنصیبوں کو تو مرنا بھی بہت مشکل ہے

دیکھتا جاتا ہوں تیور ان کے میں
شکوہ کرتا ہوں دبی آواز سے

میں تو اس سے بھی چھپاتا کیا کروں ہے خدا آگاہ دل کے راز سے

دل روزِ حشر اس کا طرف دار ہو گیا بگڑا مرا معاملہ جھوٹے گواہ سے
دیکھا ہے دیکھنے کی طرح اک جہان کو گزرا ہے اک زمانہ ہماری نگاہ سے
رندوں کا کیا قصور ہے واعظ سمجھ ذرا دنیا میں کوئی آکے بچا ہے گناہ سے

مہر و وفا کا نام ہے اب بات بات پر یہ سن لیا ہے آپ نے کس کی زبان سے

خطائے عشق کی توبہ نہ جیتے جی ہوگی ہزار بار ہوئی اور پھر وہی ہوگی
جفائے تازہ کی دھمکی نہ دیجیے ہم کو ہمیشہ ہوتی ہے کیا آج ہی نئی ہوگی
سلیقہ چاہیے عادت ہے شرط اِس کے لیے اناڑیوں سے نہ جنّت میں مے کشی ہوگی
دعائے وصلِ بتاں مانگتا ہوں کعبے میں خدا کے گھر میں کسی شے کی کیا کمی ہوگی
رقیب اور وفادار ہو، خدا کی شان بجا ہے اس نے جفا پر وفا ہی کی ہوگی
نصیب لذّتِ آزارِ عشق ہو تو سہی یہ جانتا ہوں کہ مر مر کے زندگی ہوگی
بہت جلائے گا حوروں کو داغؔ جنّت میں بغل میں اس کی وہاں ہند کی پری ہوگی

انھیں نفرت ہوئی سارے جہاں سے نئی دنیا کوئی لائے کہاں سے
جہاں کے ہو رہے بس ہو رہے ہم قفس بھی کم نہیں ہے آشیاں سے

تری آنکھوں سے کیا نرگس کو نسبت
کہ وہ کم بخت اندھی ہے جنم کی
ان آنکھوں کی ذرا مستی تو دیکھو
نگاہوں میں بھی لغزش ہے قدم کی
یہاں آئے ہیں جانے کے لیے ہم
یہ ہستی پہلی منزل ہے عدم کی
تمنّائے دلی کی انتہا کیا
بہت کچھ آرزو کی پھر بھی کم کی

بھولا نہ کبھی قافلۂ ملکِ عدم راہ
جاتا ہے اُدھر ہی کو یہ آتا ہے جدھر سے
کعبے سے نکل کر رہے بُت دل میں کسی کے
اللہ کے گھر میں گئے، اللہ کے گھر سے
جانا کہ جلائے گا رقیبوں سے یہ مل کر
وہ بزم میں جا بیٹھے الگ داغ کے ڈر سے

ماہتابِ داغ

متفرقات

وعدہ لیتے ہی وہ باتوں میں لگایا ہم نے
دیر تک اس کو کسی طرح مکرنے نہ دیا

جھگڑے لگے ہیں یوں تو بہت آدمی کے ساتھ
یارب نہ ہو کسی کو محبت کسی کے ساتھ

بھرے بیٹھے ہو تم محفل میں اے داغ
کہے دیتی ہے خاموشی تمھاری

ہلایا جب مری آہ و فغاں نے
زمیں پکڑی ہے کیا کیا آسماں نے

اے داغ یہ کیا بات ہے، ہم کو تو بتاؤ
رہتا ہے وہاں ذکر تمھارا کئی دن سے

ساقیا چاٹ لگی چاہیے پیمانے کی
ہم تو بے ڈالیں گے مٹی ترے مے خانے کی

ہم اپنے کاتبِ اعمال کو ملالیں گے
گناہ سہل، ثبوتِ گناہ مشکل ہے

محبوبیت کی شان نہیں ہے ستم گری
محبوب ہو کے آپ دل آزار کیوں ہوئے
اپنے جمالِ ہوش رُبا کی خبر بھی ہے؟
کہتے ہو ہم سے، طالبِ دیدار کیوں ہوئے

کرتا ہے داغ کوچۂ قاتل میں تاک جھانک
پردے پڑے ہیں آنکھوں پہ، غفلت تو دیکھیے

رباعیات

آفتاب داغ

تم تو فلکِ حسن پہ ہو ماہِ منیر
سایے کی طرح ساتھ ہے داغِ دل گیر
خالِ لبِ گلفام ہے شاہد اس کا
بے داغ نہ کھنچ سکی تمھاری تصویر

کیا خوب مصوّر نے اتاری تصویر
دیکھی نہ سنی ایسی تو پیاری تصویر
جب ہاتھ لگاتا ہوں تو جی ڈرتا ہے
کہہ بیٹھے نہ کچھ مُنہ سے تمھاری تصویر

گلزار داغ

بیگانہ یہاں ہر اک یگانہ دیکھا
اپنے مطلب کا سب زمانہ دیکھا
جس کو دیکھا غرض، غرض کا اپنی
دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا

دنیا میں کبھی انسان کی حاجت نکلی
حسرت ہی رہی، کوئی نہ حسرت نکلی
جیتے تھے قیامت کی توقع پر ہم
خود وقت کی محتاج قیامت نکلی

گلزارِ داغ

مخمسہ

برغزلِ نواب یوسف علی خاں ناظمؔ، والیِ رام پور

کہتے ہیں وہ بشر کو جو دل دے بشر غلط
دیوانہ ہو کسی پہ کوئی، سر بسر غلط
شامت جو آئے، ان کا بیاں جان کر غلط
میں نے کہا کہ دعویِ الفت مگر غلط؟
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

ہوتے ہیں ایک بات کی تہ میں ہزار جھوٹ
تصدیق کیجیے تو بس انجام کار جھوٹ
اور پھر ڈرائیں بول کے بے اعتبار جھوٹ
تاثیرِ آہ و زاریِ شب ہائے تار جھوٹ
آوازۂ قبولِ دعائے سحر غلط

آگے نہ تھے زمانے میں جو اب فریب ہیں
ایمان و دین و ملت و مذہب فریب ہیں
چلتے ہوئے بہانے ہیں، بے ڈھب فریب ہیں
بوس و کنار کے لیے یہ سب فریب ہیں
اظہارِ پاکبازی و ذوقِ نظر غلط

یہ کذب، یہ دروغ، یہ بہتان الاماں
کیا جھوٹ بولنے کو ملی ہے انھیں زباں
شاعر ملا رہے ہیں زمین اور آسماں
لو صاحب، آفتاب کہاں اور ہم کہاں
احمق بنیں نہ سمجھیں ہم اس کو اگر غلط

اک آہِ سرد بھر کے کیا طورِ بے خودی　　اُس کو دیا یہ دم کہ تجھے جان نذر کی
لو دینے والے ہوتے ہیں ایسے ہی تو سخی　　مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی

جانِ عزیز پیش کش نامہ بر غلط

اعجاز تو نہیں کہ جو قائل ہوں خاص و عام　　گر کہیے شعبدہ ہے محبت تو والسّلام
اب امتحاں سہی، چلو قصہ ہوا تمام　　پوچھو تو کوئی، مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام

کہتے ہو جان دی ہے سرِ رہ گذر، غلط

جو عرض کی تھی داغ نے آخر وہی ہوا　　کوئی خفا ہو، آپ کو ہے چھیڑ کا مزا
دیکھا نہ آخر آج وہ بد خو برس پڑا　　یہ کچھ سنا جواب میں ناظم، ستم کیا

یہ کیوں کہا کہ دعویِ الفت مگر غلط

(یادگار)

قطعہ

(بہ طورِ ہدایت نامہ)

اپنے شاگردوں کو یہ عام ہدایت ہے مری
کہ سمجھ لیں تہِ دل سے وہ بجا و بے جا

شعرگوئی میں رہیں مدِ نظر یہ باتیں
کہ بغیر ان کے فصاحت نہیں ہوتی پیدا

چُست بندش ہو، نہ ہو سُست، یہی خوبی ہے
وہ فصاحت سے گرا، شعر میں جو حرف دبا

عَرَبی فارسی الفاظ جو اردو میں کہیں
حرفِ علت کا بُرا ان میں ہے گرنا، دبنا

الفِ وصل اگر آئے تو کچھ عیب نہیں
لیکن الفاظ میں اردو کے یہ گرنا ہے روا

جس میں گنجلک نہ ہو تھوڑی بھی صراحت ہے وہی
وہ کنایہ ہے، جو تصریح سے بھی ہو اولیٰ

عیب و خوبی کا سمجھنا ہے اک امرِ نازک
پہلے کچھ اور تھا، اب رنگِ زباں اور ہوا

یہی اردو ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے
اہلِ دہلی نے اسے اور سے اب اور کیا

مستند اہلِ زباں خاص ہیں دلّی والے
اس میں غیروں کا تصرف نہیں مانا جاتا

جوہری نقدِ سخن کے ہیں پرکھنے والے
ہے وہ ٹکسال سے باہر جو کسوٹی نہ چڑھا

بعض الفاظ جو دو آئے ہیں اک معنی میں
ایک کو ترک کیا، ایک کو قائم رکھا

ترک جو لفظ کیا، اب وہ نہیں مستعمل
اگلے لوگوں کی زباں پر وہی دیتا تھا مزا

گرچہ تعقید بری ہے، مگر اچھی ہے کہیں
ہو جو بندش میں مناسب تو نہیں عیب ذرا

شعر میں حشو و زوائد بھی بُرے ہوتے ہیں
ایسی بھرتی کو سمجھتے نہیں شاعر اچھا

اگر کسی شعر میں ایطاے جلی آتا ہے
وہ بڑا عیب ہے، کہتے ہیں اُسے بے معنیٰ!

استعارہ جو مزے کا ہو، مزے کی تشبیہ
اس میں اک لطف ہے، اس کہنے کا پھر کیا کہنا

اصطلاح اچھی، مثل اچھی ہو، بندش اچھّی
روزمرّہ بھی رہے صاف فصاحت سے بھرا

ہے اضافت بھی ضروری مگر ایسی تو نہ ہو
ایک مصرع میں جو ہو چار جگہ بلکہ سوا

عطف کا بھی ہے یہی حال، یہی صورت ہے
وہ بھی آئے مُتوالی تو نہایت ہے بُرا

لف ونشر آئے مرتب وہ بہت اچھّا ہے
اور ہو غیر مرتّب تو نہیں کچھ بے جا

شعر میں آئے جو ایہام کسی موقع پر
کیفیت اس میں بھی ہے وہ بھی نہایت اچھّا

جو نہ مرغوبِ طبیعت ہو بری ہے وہ ردیف
شعر بے لطف ہے گر قافیہ ہے بے ڈھنگا

ایک مصرع میں ہو تم، دوسرے مصرع میں ہو تو
یہ شُتر گربہ ہوا، میں نے اُسے ترک کیا

چند بحریں متعارف ہیں فقط اردو میں
فارسی میں، عربی میں ہیں مگر ان سے سوا

شعر میں ہوتی ہے شاعر کو ضرورت اِس کی
گر عروض اس نے پڑھا، وہ ہے سخنور دانا

مختصر یہ ہے کہ ہوتی ہے طبیعت استاد
دین اللہ کی ہے، جس کو یہ نعمت ہو عطا

بے اثر کے نہیں ہوتا کبھی مقبول کلام
اور تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا

گرچہ دنیا میں ہوئے اور ہیں لاکھوں شاعر
کسبِ فن سے نہیں ہوتی ہے یہ خوبی پیدا

سیّد احسن جو مرے دوست بھی، شاگرد بھی ہیں
جن کو اللہ نے دی فکرِ رسا، طبعِ رسا

شعر کے حسن و قبائح جو انھوں نے پوچھے
ان کی درخواست سے اک قطعہ یہ برجستہ کہا

پند نامہ جو کہا داغ نے، بے کار نہیں
کام کا قطعہ ہے یہ، وقت پہ کام آئے گا

"شہر آشوب"

فلک زمین و ملائک جناب تھی دہلی بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دہلی
جواب کاہے کو تھا لاجواب تھی دِتی مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دہلی

پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

یہ شہر وہ ہے کہ ہر انس و جان کا دل تھا یہ شہر وہ ہے کہ ہر قدردان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا

رہی نہ آدھی یہاں سنگ و رخشت کی صورت
بنی ہوئی تھی جو ساری بہشت کی صورت

یہاں کی شام تھی مانندِ صبح نورانی یہاں کے ذرّے میں تھی مہر کی درخشانی
یہاں کے سنگ سے تھا تیرہ لعلِ رمّانی یہاں کی خاک سے ہوتا تھا آئینہ پانی

یہ شہر وہ ہے کہ سایا بھی نور تھا جس کا
چراغ رشکِ تجلّیِ طور تھا اس کا

شہرِ آشوب دہلی

فلک تھا خوبی و حسن و جمال کا دشمن　　　صباحِ عشرت و شامِ وصال کا دشمن
عدوے اہلِ کمال اور کمال کا دشمن　　　غضب ہے اب تو ہُوا جان و مال کا دشمن
یہ مُفت بر، جو تلاشی ہے نقدِ جاں کے لیے
خضر بھی روئیں گے اب عمرِ جاوداں کے لیے

خدا پرستی کے بدلے جفا پرستی ہے　　　جو مال مست تھے، اب ان کو فاقہ مستی ہے
بجاے ابرِ کرم مفلسی برستی ہے　　　یہ تنگ جینے سے ہیں ایسی تنگ دستی ہے
غضب میں آئی رعیت، بلا میں شہر آیا
یہ پُربیے نہیں آئے، خدا کا قہر آیا

فلک نے قہر و غضب تاک تاک کر ڈالا　　　تمام پردۂ ناموس چاک کر ڈالا
یکایک ایک جہاں کو ہلاک کر ڈالا　　　غرض کہ لاکھ کا گھر اُس نے خاک کر ڈالا
جلی ہیں دھوپ میں، شکلیں جو ماہتاب کی تھیں
کھنچی ہیں کانٹوں پہ، جو پتّیاں گلاب کی تھیں

زمیں کے حال پہ اب آسمان روتا ہے　　　ہر اک فراقِ مکیں میں مکان روتا ہے
گدا و شاہ و ضعیف و جوان روتا ہے　　　غرض یہاں کے لیے اک جہان روتا ہے
جو کہیے جوششِ طوفاں، نہیں کہی جاتی
یہاں تو نوحؑ کی کشتی بھی ڈوب ہی جاتی

ہو کے چشمے ہیں چشمِ پُر آب کی صورت — شکستہ کاسۂ سر ہیں حباب کی صورت
لُٹے ہیں گھر، دلِ خانہ خراب کی صورت — کہاں یہ حشر میں توبہ عذاب کی صورت
زبانِ تیغ سے پُرسش ہے دادخواہوں کی
رسَن ہے، طوق ہے، گردن ہے بے گناہوں کی

یہ وہ جگہ ہے کہ عبرت پہ عبرت آتی ہے — یہ وہ جگہ ہے کہ حسرت پہ حسرت آتی ہے
یہ وہ جگہ ہے کہ آفت پہ آفت آتی ہے — یہ وہ جگہ ہے کہ شامت پہ شامت آتی ہے
یہ وہ جگہ ہے جہاں بے کسی بھی ڈر جائے
یہ وہ جگہ ہے اجل خوف کھا کے مر جائے

برنگِ بوے گل اہلِ چمن، چمن سے چلے — غریب چھوڑ کے اپنا وطن، وطن سے چلے
نہ پوچھ زندوں کو بے چارے جس چلن سے چلے — قیامت آئی کہ مُردے نکل کفن سے چلے
مقامِ امن جو ڈھونڈا تو راہ بھی نہ ملی
یہ قہر تھا کہ خدا کی پناہ بھی نہ ملی

جو تھی تو افعیِ کاکل کے زہر کی گرمی — جو تھی تو شعلہ عذارانِ شہر کی گرمی
نہ دیکھیں جو نگہِ خشم و قہر کی گرمی — اٹھائیں ہائے وہ جلتی دوپہر کی گرمی
تپش سے ریگِ بیاباں بھی آفتاب ہوئی
زمیں مگر کرۂ نار کا جواب ہوئی

جگہ جگہ تھے زمیندار، دار کی صورت — چڑھے ہی آتے تھے سر پر بخار کی صورت
بلا سے کم نہ تھی ہر اک گنوار کی صورت — چھپی نہ اُن سے پر اہلِ دیار کی صورت
کسی جگہ جو کوئی ہو کے بے قرار آیا
تو اہلِ قریہ یہ بولے کہ لوٹنکار آیا

زبان بدلیں تو صورت بدل نہیں آتی ملیں جو خاک بھی مُنہ پر تو مل نہیں آتی
کسی طرح، کسی پہلو سے کل نہیں آتی پکارتے ہیں اجل کو، اجل نہیں آتی
جو سر کو پھوڑیں تو پتھر پرے سرکتے ہیں
جو لوٹیں کانٹوں پہ، کانٹے الگ کھٹکتے ہیں

پیادہ پا ہو رواں شہ سوار، صد افسوس! لہو کے گھونٹ پییں بادہ خوار، صد افسوس!
ذلیل و خوار ہوں اہلِ وقار، صد افسوس! ہزار حیف، دلِ بے قرار، صد افسوس!
جھکے ہیں بارِ الم سے تنے ہوئے کیسے
بگڑ گئے ہیں یکایک بنے ہوئے کیسے

بنا ہے خالِ سیہ رنگ مہ جمالوں کا دوتا ہُوا ہے قدِ راست نونہالوں کا
جو زور آہوں کا لب پر تو شور نالوں کا عجیب حالِ دگرگوں ہے دلی والوں کا
کوئی مراد جو چاہی، حصول ہی نہ ہوئی
دعاے مرگ جو مانگی قبول ہی نہ ہوئی

غضب ہے، بختِ بد ایسے ہمارے ہو جائیں کہ ہیں جو لعل و گہر، سنگ پارے ہو جائیں
جو دانے چاہیں تو خرمن شرارے ہو جائیں جو مانگیں پانی تو دریا کنارے ہو جائیں
پییں جو آبِ بقا بھی تو زہر ہو جائے
جو چاہیں رحمتِ باری تو قہر ہو جائے

جہاز ایسا تباہی میں آ گیا اپنا ملا نہ تختِ ثریٰ تک کہیں پتا اپنا
رہا زمانے میں کوئی نہ آشنا اپنا بجز خدا کے، نہیں کوئی ناخدا اپنا
کسی سے ڈوبے ہوئے ایسے کب نکلتے ہیں
یہاں سے حضرتِ الیاسؑ بچ کے چلتے ہیں

پئے محاسبہ پرسش ہے نکتہ دانوں کی　　تلاش بہرِ سیاست ہے خوش زبانوں کی
جو نوکری ہے تو اب یہ ہے کہ حکمِ عام ہے بھرتی ہے قید خانوں کی　　نوجوانوں کی

یہ اہلِ سیف و قلم کا ہو جب کہ حال تباہ
کمال کیوں نہ پھرے دربدر کمال تباہ

کہاں تک آہ لکھوں اس کا حالِ بربادی　　کہاں تک آہ کہوں آسماں کی جلادی
کسی کو قیدِ محن سے نہیں ہے آزادی　　کہ داغ داغ ہے دل، ہر کوئی ہے فریادی

الٰہی! پھر اسے آباد و شاد دیکھیں ہم
الٰہی! پھر اسے حسبِ مراد دیکھیں ہم